دوموت دوزندگی

ebooks.i360.pk

تحریر:

زاھد حسین

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو
تم تھے مردہ پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا
پھر ہم تمہیں مردہ کردیں گے اور پھر زندہ کریں گے
پھر تم اللہ کی طرف پیش کیئے جاؤ گے O

سورۃ البقرۃ 2 آیت 28

دوموت، دوزندگی

حصہ اول

انسان کیا ہے روح یا نفس؟

بہت سے رازوں سے پردہ اٹھاتی یہ کتاب

منجانب **زاہد حسین**

ebooks.i360.pk

1

اسلام علیکم

دیباچہ: مضمون دوموت دوزندگی سرورق پر دی ہوئی **سورۃ بقرۃ آیت 28** کے تعلق میں تحریر کیا گیا ہے اس آیت میں انسان سے متعلق چار مرحلے بیان ہوئے ہیں۔جن کی تفصیل ہم سوال جواب کی شکل میں بیان کریں گے لیکن پہلے ضروری تھا کہ یہ تجزیہ کرلیا جائے کہ انسان خود کیا ہے لہٰذہ مضمون کے پہلے حصے کا نام ''انسان کیا ہے روح یا نفس'' رکھا گیا ہے۔بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ روح کے متعلق تو بات کرنے سے ہی منع کیا گیا ہے اور اس کا علم بھی قلیل دیا گیا ہے۔پہلی بات یہ ہے کہ اللہ نے روح کے متعلق بات کرنے سے منع نہیں کیا ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمیں روح کے متعلق صرف اس علم تک ہی محدود رہنا چاہیے جتنا اللہ نے قران میں بیان کردیا ہے اور ہمارے اس مضمون کو لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جو اضافہ روح کے متعلق لوگوں کے عقائد میں ڈال دیا گیا ہے اس کے متعلق خبردار کیا جائے کہ وہ اضافہ نہ صرف من گھڑت ہے بلکہ قرآن مخالف بھی ہے۔

اس ضمن میں ایک بات توجہ طلب ہے کہ شیطان مشاہدے کے خلاف عقیدہ پیش نہیں کرسکتا لہٰذہ اس نے قرآن میں موجود لفظ غیب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ تر ایسے عقائد پیش کیے ہیں جن کو لوگوں کے وہم وگمان میں جگہ دی جا سکے۔اگر کوئی یہ کہے کہ مردے رات کو قبروں سے نکل کر سڑکوں پر آجاتے ہیں تو کوئی یقین نہیں کرے گا کیونکہ مشاہدے سے یہ بات غلط ثابت ہوجائے گی لیکن کوئی یہ کہے کہ روحیں جمعرات کو یا کسی مخصوص روز لوگوں کے گھروں میں آتی جاتی ہے تو کئی لوگ یقین کرلیں گے کیونکہ روح نظر جو نہیں آتی۔جس بات کی تصدیق نہ ہو ایسی ہی نوے فیصد باتوں میں شیطان کی ملاوٹ ہوجاتی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گمان کی پیروی سے منع کیا ہے۔ہر وہ بات جو غیب کے نام پر پیش کی جائے وہ ضروری نہیں کہ صحیح ہو اور ہمیں غیب پر صرف اتنا ہی ایمان لانا چاہیے جتنا اللہ نے اپنی کتاب میں بتادیا ہے۔

قرآن مجید میں موجود بہت سے الفاظ مثلاً نفس،موت،حیات،قبر،برزخ،جنت،جہنم،عذاب،اور ثواب کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں ان کے مذہبی پیشواؤں کی طرف سے بہت سے بے بنیاد اور باطل عقائد فراہم کیے گئے جن کا اعتراف علماء نے خود اپنی کتابوں میں کیا اور جن میں انہوں نے آپس میں ہی ایک دوسرے کے نظریات اور عقائد کے خلاف قلم بھی اٹھایا ہے۔وہ اپنی تحریروں میں ایک دوسرے سے جھگڑے نظر آئیں گے کبھی اس بات پر کہ روح پہلے پیدا ہوئی تھی یا جسم،قبر زمین میں گڑھے کو کہتے ہیں یا عالم برزخ میں کسی جگہ کو،مرنے کے بعد عذاب بستر پر ہی شروع ہوجاتا ہے یا منکر نکیر کے قبر میں آنے کے بعد۔غرضیکہ اختلافات کا ایک ڈھیر ہے جس میں یہ علماء بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ان کے اس اختلافات کی وجہ کیا ہے

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا تھا کہ **تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مظبوطی سے تھام لینا اور آپس میں تفرقہ نہ کرنا** [1]

آج بھی اگر ہم اپنے عقائد کی بنیاد اللہ کی کتاب سے ہی تعمیر کریں تو یہ فرقے ختم ہو سکتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ پہلے اللہ کی کتاب کو اس کے صحیح طریقے سے سمجھا جائے ان کے اختلافات کی ایک اور بڑی وجہ آیات کا غلط ترجمہ ہے۔ روح انسانی کے متعلق اول تو ان علماء نے متعلقہ آیات کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے اور اگر کوئی آیت غلط ترجمہ ہونے سے بچ گئی تو اس کا مفہوم غلط لے لیا گیا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مضمون سے متعلق قرآنی آیات کا روایتی ترجموں کے بجائے صحیح ترجمہ پیش کیا جائے جسے کوئی مانے یا نہ مانے لیکن عربی جاننے والا کبھی اسے رد نہ کر سکے۔ البتہ آیات کا مفہوم لینے میں ہم غلطی کر سکتے ہیں اور ایسی غلطی تضاد کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ لہٰذہ جو حضرات بھی ہماری تحریر پڑھیں ان سے گزارش ہے کہ وہ ہماری تحریر میں تضاد تلاش کر کے ہمیں متنبہ کر دیں اس پر ہم ان کے لئے دعا گو ہوں گے۔ ویسے ہم نے اپنے طور پر اس کی کچھ اہل علم سے تحقیق کروا کے ہی اسے پبلک کیا ہے۔

عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان روح اور جسم کے مجموعے کا نام ہے تو ایسی کوئی بات اللہ کی کتاب میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ انسان روح اور جسم کا نہیں بلکہ نفس اور جسم کا مجموعہ ہے۔ انسانی روح ایک ایسا عقیدہ ہے جس نے مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کو نہیں دنیا کے کسی ایک مذہب کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ یقیناً ہمارا یہ مضمون نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ اہمیت اختیار نہیں کر سکے گا لیکن یہ مضمون ان لوگوں کو ضرور فائدہ دے گا جو سوچتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور جھوٹی باتوں کو اللہ کی کتاب اور خود ان کے تضاد سے پہچان لیتے ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہ کہی جائے بلکہ پہلے سے موجود تحریری مواد جو قرآن مجید کی آیات، احادیث اور علماء کے اقوال پر مبنی ہے اسی کی روشنی میں بات کی جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ مضمون ہمارے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس مضمون کو ہم نے سوال جواب کی شکل میں تحریر کیا ہے اس کے باوجود اگر کوئی مزید سوال ہو تو آپ سے درخواست ہے کہ ہم سے رابطہ کر کے جواب حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک اور گزارش یہ ہے کہ جب تک آپ کے سوالوں کے مکمل جواب آپ کو نہ مل جائیں آپ اس مضمون کو ایک بے کار سی شے سمجھ کر ایک طرف نہ پھینک دیں جب آپ دیکھیں کہ ہم نے آپ کے سوالوں کے تسلی بخش جواب نہیں دئے ہیں تو پھر آپ کو اختیار ہے۔

ایک آخری بات کہ ہم کوئی باقائدہ مصنف نہیں کہ ایک ایک پوائنٹ پر سینکڑوں الفاظ لکھ سکیں اس لئے اکثر پڑھنے والوں کو ایسا لگتا ہے کہ ہماری تحریر مختصر تھی۔ یہ بات صحیح ہے کیونکہ ہمارا فوکس نکات پر ہوتا ہے لہٰذہ وہ لوگ جو موٹی موٹی کتابیں پڑھنے کے شوقین ہیں ان کی تشنگی باقی رہ جاتی ہے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ شکریہ

آپ کی دعاؤں کا طلبگار زاہد حسین

1

فہرست سوالات

1

سوال نمبر 1 کیا قرآن میں انسانی روح کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب ممکن ہے آپ نے اس سے پہلے کبھی نہ سنا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں کسی انسانی روح کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ بات جاننا کچھ مشکل نہیں۔ وہ تمام آیات جن سے علماء حضرات روح انسانی کا عقیدہ اخذ کرتے ہیں انہیں ایک ایک کر کے دیکھ لیا جائے تو آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن میں اس نظریے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ عام لوگ یہ علم نہیں رکھتے کہ جو انسانی روح کا نظریہ انہوں نے علماء سے سنا ہے وہ خود علماء کے ہاں کس قدر اختلاف اور تضاد کا شکار ہے۔ اگر آپ اس مضمون سے متعلق ان علماء کی کوئی سی بھی چار کتابوں کا مطالعہ کر لیں تو آپ خود اس نتیجے پر خود پہنچ جائیں گے کہ روح انسانی کے نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ علماء اس نظریے کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایسی باتیں بھی بیان کر جاتے ہیں جن کا نہ تو قرآن میں زکر ہوتا ہے اور نہ حدیث میں۔ روح انسانی کا یہ نظریہ اپنے ہی تضاد کے سبب با آسانی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ پہلے ذرا علماء کے اختلافات کی ایک جھلک دیکھیے

علامہ نور بخش توکلی (بریلوی) فرماتے ہیں

''**حقیقت روح کے بارے میں بعض علماء نے توقف کیا ہے اور جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے ان کے مختلف قول ہیں**'' (البرزخ صفحہ ١١)

عبدالرشید نعمانی (دیوبند) لکھتے ہیں

''**روح کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے اس کے بارے میں بڑا اختلاف ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی تعداد سو اقوال تک جا پہنچتی ہے**'' (لغات القرآن جلد دوئم صفحہ 103)

عبدالرحمٰن کیلانی (اہل حدیث) فرماتے ہیں

''**روح کے متعلق جن جن علماء نے قلم اٹھایا ہے ان کی تفاصیل میں بہت اختلاف واقع ہوا ہے**'' (روح، عذاب قبر اور سماع موتٰی صفحہ 56)

یہ تو رہا علماء کا خود کا اعتراف کہ روح کے معاملے میں ان کے ہاں اختلافات موجود ہیں۔ اب ذرا ان کے تضاد کی ایک مختصر جھلک

بھی دیکھ لیں۔ چونکہ علماء کے پاس انسانی روح کے متعلق کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہیں تو اس سبب ان کے اپنے ہی اقوال میں تضاد پیدا ہوجاتا ہے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اپنی کتاب (روح،عذاب قبر اور سماع موتٰی) کے صفحہ 20 پر فرماتے ہیں "**اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو روح پیدا ہوچکی ہے اس پر موت نہیں آئے گی**" پھر اپنی اسی بات کی تردید میں صفحہ 64 پر لکھتے ہیں کہ "**روح اللہ کی مخلوق ہے حادث ہے قدیم نہیں چونکہ روح مخلوق ہے لہٰذہ کسی نہ کسی وقت فنا سے دوچار بھی ہوگی**"۔ پہلے انہوں نے روح کی موت کا انکار کیا پھر اسے مخلوق ٹھہراتے ہوئے اس کے فنا کا ذکر بھی کردیا۔ پھر فنا کے اقرار کے بعد نہ تو قران سے اور نہ حدیث سے اس کا موقع بتایا کہ روح کا فنا کب ہوگا۔ یہ صرف ایک عالم کا حال نہیں تمام علماء کا یہی حال ہے۔ جب یہ تضاد علماء کے سامنے رکھے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ نے روح کے متعلق بات کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ خود علماء نے روح کے متعلق سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالیں تب انہیں یہ خیال نہ آیا۔ تو یہ کہنا کہ اللہ نے روح کے متعلق بات کرنے سے منع کیا ہے یہی ظاہر کرتا ہے کہ اپنے عقیدے کو بچانے کے لئے ایسا کہتے ہیں۔ اللہ نے روح کے متعلق بات کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا ہے کہ تمہیں روح کے متعلق قلیل علم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں روح کا لفظ 21 مرتبہ آیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی لفظ روح، انسانی روح کے لئے استعمال نہیں ہوا یہی بات علامہ ابن قیم نے اپنے الفاظ میں یوں کہی وہ فرماتے ہیں کہ "**ارواح بنی آدم کو قرآن میں نفس کے علاوہ کسی اور نام سے موسوم نہیں کیا گیا**" (الّغات القرآن جلد دوئم صفحہ 103) یعنی ان کی نظر میں بھی اگر انسانی روح کے لئے کوئی لفظ آیا تو وہ نفس ہے روح نہیں لہٰذا یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ کم از کم لفظ روح، انسانی روح کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بنی آدم کے لئے تو ایسا ہی ہے لیکن آدم کے لئے جو روح کا لفظ آیا ہے وہ انسانی روح سے متعلق ہی ہے مگر یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم سے متعلق تین آیات میں روح کا ذکر کیا اور اُن میں ہر ایک آیت میں اللہ نے اس روح کو اپنی روح قرار دیا۔ کسی جگہ اللہ نے نہیں فرمایا کہ میں آدم میں آدم کی روح پھونک دوں اور نہ ہی کسی عالم نے یہ ترجمہ کیا کہ اللہ نے آدم میں آدم کی روح پھونکی۔

ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ علماء کے پاس حق اور سچ پہنچا ضرور تھا جیسا ان کے بعض اقوال سے ظاہر ہوتا ہے جو موقع بہ موقع آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے لیکن وہ اپنی اسلاف اور مسلک پرستی کے تقاضوں کے سبب اس حق کو نظر انداز کر بیٹھے لہٰذا ہم یہ نہیں کہتے کہ حقیقت صرف ہم پر ہی آشکار ہوئی ہے اور وہ علماء اس حق سے ناواقف تھے۔ ہمیں ان کے ایسے بہت سے اقوال ان کی کتابوں میں ملے ہیں جو سچ کے قریب تھے اور انہیں ہم نے اپنے مضمون دوموت دوزندگی میں شامل کیا ہے روح سے متعلق ایک اہم آیت کو اسی سوال کے جواب میں شامل کیا جارہا ہے تاکہ آپ کو ابتدائی طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ قرآن میں واقعی کسی انسانی روح کا کوئی ذکر نہیں ہے اور بعض علماء نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً O

اور لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ روح میرے رب کا امر ہے اور تمہیں تو (اس کے متعلق) قلیل علم دیا

گیا ہے- بنی اسرائیل 17 آیت 85

اس آیت کو بعض علماء روحِ انسانی سے متعلق پیش کرتے ہیں حالانکہ آیت سے یہ ہرگز واضح نہیں ہوتا کہ یہاں کسی انسانی روح کا ذکر ہے۔ مولانا زاہد محمود (دیوبندی) فرماتے ہیں کہ بقول علامہ ابن قیم الجوزیہ کے تمام مفسرین سلف کے نزدیک یہ ارشاد الٰہی روح انسانی کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو اس روح کے بارے میں ہے جس کا ذکر یوم یقوم الروح والملائکہ (النباء 38) جس دن کہ روح اور فرشتے کھڑے ہونگے میں ہے (کتاب روح کیا ہے صفحہ 79) گو کہ مولانا مودودی صاحب نے اس سے ہٹ کر اپنی رائے دی ہے لیکن ان کی نظر میں بھی اس آیت میں سوال انسانی روح کے متعلق نہیں تھا وہ لکھتے ہیں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہاں روح سے مراد جان ہے لیکن ہمیں یہ معنی تسلیم کرنے میں سخت تامل ہے ربط عبارت کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں روح سے مراد وحی یا وحی لانے والا فرشتہ ہی ہوسکتا ہے (تفہیم القرآن) سلف میں امام بیہقی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے (الّغات القرآن جلد دوئم صفحہ 102)

دیکھیے ان علماء کے اقوال سے کم از کم یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس آیت کا انسانی روح سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن آج کل کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو اس آیت کو زبردستی انسانی روح کے باطل نظریے سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ بھی مذکورہ آیت کے کسی بھی ترجمے میں دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں انسانی روح کا کوئی نشان تک نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس آیت کی کوئی تفسیر بیان نہیں کی۔ عبداللہ بن مسعود ؓ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس کے مطابق یہودیوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا اور اللہ کے رسول نے یہی آیت پڑھ کر سنا دی (صحیح بخاری حدیث نمبر 125) اور کسی انسانی روح کا نظریہ اس آیت سے منسلک نہیں کیا۔ اس آیت میں روح سے کیا مراد ہے اس کا جواب سوال نمبر دس کے جواب میں ملے گا۔ جو بات یہاں بتانے والی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اس اہم آیت میں جسے بعض علماء انسانی روح مراد لیتے ہیں ان سے اختلاف کرنے والے علماء بھی موجود ہیں کہ یہاں انسانی روح کا ذکر نہیں ہے۔

سوال نمبر 2 اگر جسم میں روح نہیں تو پھر وہ کیا شے ہے جو جسم کو کنٹرول کرتی ہے؟

جواب: اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے جسم میں ایک روح نامی مخلوق موجود ہے جو اصل انسان ہے اور وہی جسم کو کنٹرول کرتی ہے جبکہ قرآن میں ایسی کوئی بات سرے سے موجود نہیں۔ قرآن میں انسانی روح کے بجائے انسانی نفس کا ذکر آیا ہے اور وہ کوئی الگ سے مخلوق نہیں جو جسم میں ڈالا جائے یا نکالا جائے بلکہ وہ جسم کے اندر سے ہی اپنا وجود حاصل کرتا ہے اور اندر ہی فنا ہوجاتا ہے۔ نفس کے معنی زات، انگلش میں self ہے۔ چونکہ کوئی بھی زات اپنے جسم کے ساتھ ہی اپنا وجود رکھتی ہے لہٰذا نفس جب کسی انسان کے لئے استعمال ہوگا تو اس سے مراد مکمل انسان ہوگا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں لکھا ہے

۱) اور ڈرو اس دن سے جب کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا (سورۃ بقرۃ آیت 48)

۲) اس سبب سے ہم نے لکھ دیا بنی اسرائیل پر کہ جس نے کسی نفس کو قتل کیا سوائے اس پر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا فساد کیا ہو زمین پر تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ سورۃ المائدہ آیت 32

۳) اور ہم نے ان پر لکھ دیا کہ نفس کے بدلے نفس، آنکھ کے بدلے آنکھ،۔۔سورۃ المائدہ 45

۴) جس دن ہر نفس اپنے ہی نفس سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔۔۔سورۃ النحل 16 آیت 111

ان آیات میں نفس سے مراد مکمل انسان ہے جو نفس اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر علماء نفس کا ترجمہ روح نہیں لکھتے۔ اگر آپ مندرجہ بالا آیات میں نفس کی جگہ روح لکھ دیں تو آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ نفس کا ترجمہ روح قابل قبول نہیں ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نفس انسانی خواہشات ہیں یہ بھی ایک غلط مفہوم ہے۔ نفس ایک ذات ہے جس کے اندر تو خواہشات پیدا ہوتی ہیں لیکن نفس بذات خود خواہشات نہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے

۵) اور جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا۔ سورۃ النازعات 79 آیت 40

اس آیت میں نفس اور خواہشات دونوں کا الگ الگ وجود کی حیثیت سے ذکر ہوا جس سے واضح ہوا کہ نفس خواہشات نہیں بلکہ نفس خود کو خواہشات سے دور رکھ سکتا ہے یعنی نفس اور خواہش ایک شئے نہیں۔

۶) اللہ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔۔۔سورۃ البقرۃ آیت 286

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفس کا ایک کام چیزوں کو محسوس کرنا ہے۔ اللہ کا یہ کہنا کہ وہ نفس پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا تو وہ ہماری طرف ہی اشارہ ہے کہ اس نے ہم پر اتنی ہی ذمہ داری رکھی ہے جتنی ہم اس کو برداشت کر سکیں۔ لہٰذا ہم ہی نفس ہیں اور اسی نفس کو یعنی ہم کو قیامت کے دن اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوا۔

۷) پھر ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا سورۃ البقرۃ آیت 281

نفس کی دوسری خصوصیت عمل کرنا ہے چاہے اس کا تعلق نیت سے ہو، زبان سے ہو یا ہاتھ سے ہوا اور چونکہ نفس نے ہی اعمال کئے تو وہ ہی جزا اور سزا محسوس کرے گا ان آیات میں بھی نفس کا ترجمہ نہ خواہشات ہو سکتا ہے اور نہ روح بلکہ یہ ہم ہی ہیں جو یہ اعمال کرتے ہیں۔ نفس ایک ذات ہے جس کا کام محسوس کرنا، غور کرنا، فیصلے کرنا، اور عمل کرنا ہے۔ نفس جسم سے باہر کوئی شئے نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض علماء یہ کوشش کرتے ہیں کہ بعض آیات میں نفس کا ترجمہ روح کر کے کسی ان دیکھی مخلوق کو جسم سے باہر نکالنے کا نظریہ پیش کیا جائے لیکن اس طرح بھی ان کا جھوٹ سامنے آ جاتا ہے جیسا کہ اس آیت کو دیکھیے

۸) اے نفس مطمئنہ لوٹ آ اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی اور میرے (نیک) بندوں میں داخل

ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا سورۃ الفجر 89 آیت 30-27

1

علماء اس آیت میں نفس سے مراد روح لیتے ہیں حالانکہ یہاں بھی ایک مکمل انسان کی بات ہے کسی روح کا ذکر نہیں۔ ایک نیک انسان سے کہا گیا کہ تو میرے بندوں میں داخل ہوجا اگر اس سے مراد روح ہوتی تو وہ ایک بندے میں تو داخل ہوتی مگر بندوں میں کس طرح داخل ہوسکتی تھی

لہٰذا اکیلی روح کا جنت میں ایک سے زیادہ بندوں کے جسموں میں داخل ہونا بیکار بات کے سوا کچھ نہیں۔ پھر ان علماء کا اسی لفظ نفس پر اپنا تضاد دیکھیے کہ جب اللہ تعالیٰ سورہ النساء آیت نمبر 1 میں فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں نفس واحدہ سے خلق کیا تو وہاں نفس کا ترجمہ نہ روح لکھتے ہیں نہ روح مراد لیتے ہیں بلکہ وہاں ان کی مراد ایک مکمل انسان حضرت آدم علیہ السلام ہی ہوتے ہیں ثابت ہوا کہ ہمارے علماء بھی جانتے ہیں کہ نفس ایک مکمل انسان ہی ہوتا ہے۔

نفس اور روح کا فرق: جب علماء سے یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ نفس کا مفہوم روح کیوں لیتے ہو تو فرماتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی شے ہے حالانکہ ابوسلمان زرمحمد فرماتے ہیں **بعض علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس الگ الگ حقیقتیں ہیں** (عذاب قبر اور اس کا انکار صفحہ 87) ہماری تحقیق کے مطابق بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ روح اور نفس میں جو فرق ہے اس کی تفصیل مندرجہ ذیل نکات میں دیکھیے

۱) **روح اللہ کی ہے انسان کی نہیں:** جب علماء سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر روح انسان کی تھی تو اللہ نے روح کو اپنی روح کیوں کہا تو کہتے ہیں کہ روح اللہ کی ملکیت ہے اس لئے اللہ نے روح کو اپنی روح کہا۔ غور کریں تو انسان کا نفس بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے لیکن اللہ انسانی نفس کو اپنا نفس تو قرار نہیں دیتا اور اگر روح اُس طرح اللہ کی ملکیت ہے جیسے قرآن اور کعبہ تو پھر جیسے ہم قرآن و کعبہ کو کسی انسان کی کتاب اور اللہ کے گھر کو کسی کا گھر قرار نہیں دے سکتے تو اسی طرح اللہ کی روح کو بھی کسی انسان کی روح کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے اس طرح یہ علماء خود اللہ کی روح کو کسی انسان کی روح قرار دے کر حقِ ملکیت والی منطق پر قائم نہیں رہتے۔

۲) **روح کو موت نہیں نفس کو موت ہے:** روح چونکہ اللہ کا امر ہے لہٰذا اس کی موت بنتی ہی نہیں لہٰذا اس کی موت کا ذکر بھی نہیں ہوا لیکن نفس چونکہ مخلوق کا تھا اور اسے موت دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا تو یہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایک بہت بڑا فرق قائم ہوا۔ جو کہتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں ان سے گزارش یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے نفس کی موت کا اعلان کیا اسی طرح پھر آپ بھی روح کی موت کا اعلان کردیں تاکہ معلوم ہو کہ واقعی آپ روح اور نفس کو ایک ہی سمجھتے ہیں لیکن یہ ایسا کرنے والے نہیں کیونکہ نفس کی جگہ روح کا لفظ اسی لئے تو استعمال کیا گیا کہ موت کے بعد بھی کسی نہ کسی طرح انسان کو زندہ رکھا جائے۔ لہٰذا یہ کبھی روح کی موت کا اعلان نہیں کریں گے تو ثابت ہوا کہ خود ان کے نزدیک بھی روح اور نفس الگ الگ ہیں۔ لفظ نفس سے علماء روح مراد لیتے ہیں اور جیسے ہی قرآن میں نفس کی موت کا ذکر آتا ہے تو فوراً نفس کا مطلب جسم کر دیتے ہیں کیا یہ بددیانتی نہیں پھر کہتے ہیں کہ موت تو صرف جسم کو آتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے کہیں کہا ہے کہ موت صرف جسم کو آتی ہے۔ یاد رہے کہ موت انسان کو آتی ہے جو جسم اور نفس دونوں کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی

کی موت آتی ہے تو کوئی یہ نہیں کہتا ہے کہ فلاں کے جسم کی موت ہوگئی۔

۳) **مخاطب روح نہیں نفس ہے:** روح چونکہ اللہ کا اپنا امر ہے اسی لئے اللہ نے روح سے کہیں خطاب نہیں کیا لیکن انسانی نفس تو اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق اور ایک ذات ہے لہٰذا اللہ نے نفس کو مخاطب بھی کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **اے نفس مطمئنہ لوٹ آ اپنے رب کی طرف تو۔** سورۃ الفجر 89 آیت 27

اللہ کا انسان سے خطاب جب ہی ہوتا ہے جب وہ زندہ ہو جسم کے ساتھ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

یا اسی طرح اُس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاقِ گزر ہوا تو اُس نے کہا کہ اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا تو اللہ نے اسے موت دے دی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا) پھر اُس کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ (مردہ) رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا کہ (نہیں) بلکہ سو برس (مردہ) رہے ہو۔ سورہ بقرۃ آیت 259

اس واقعے میں جب وہ انسان دوبارہ زندہ ہوا تب ہی اللہ اس سے مخاطب ہوا۔ قرآن میں اور بھی ایسے کئی واقعات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کا خطاب مکمل انسان سے ہوتا ہے کسی ادھورے انسان سے نہیں (ادھورا انسان یعنی جسم الگ اور نفس الگ۔ ایسا کوئی انسان قرآن میں بیان نہیں ہوا) روایات میں بھی کئی واقعات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے مکمل انسان سے خطاب کیا ہے جیسا کہ **صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث نمبر 3481 میں** لکھا ہے کہ ایک شخص بہت گناہ کیا کرتا تھا جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا ڈالنا اور میری ہڈیوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دینا آگے لکھا ہے کہ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا جس نے اس شخص کے جسم کے تمام ذرات ایک جگہ جمع کر دیے اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ میں تیرے عذاب سے ڈرتا تھا اس لئے ایسا کیا۔ اس واقعے سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ کسی نام نہاد انسانی روح اور مرے ہوئے انسان سے مخاطب نہیں ہوتا۔ اللہ نے اس انسان سے جب ہی کلام کیا جب اسے زندہ کیا۔

سوال نمبر 3 اگر انسانی روح نہیں تو قرآن مجید میں کس شے کا ذکر ہوا ہے جسے فرشتے قبض کرتے ہیں؟

جواب: قرآن مجید میں جو آیات حالت نزاع سے متعلق ہیں ان کے عربی متن میں آپ کو لفظ روح نہیں ملے گا جس سے روح نکلنے کی بات کا ویسے ہی کوئی جواز باقی نہیں رہتا چونکہ علماء کے ذہن میں بھی بچپن سے ہی انسانی روح کا عقیدہ ڈال دیا جاتا ہے لہٰذا انہیں بھی ہر آیت میں انسانی روح ہی نظر آتی ہے قرآن میں انسان کے لئے روح کے بجائے نفس کا ذکر ہے اور فرشتے اسے ہی وفات دینے کے لئے اترتے ہیں۔

۔۔وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُواْ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُواْ أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ O سورۃ الانعام آیت 93 ۔۔۔اور کاش تو ظالموں کو موت کی سختیوں میں دیکھ سکتا جب فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں تو کہتے ہیں (اب) سامنے لاؤ اپنی (وہ) ذات (جس پر تم اترایا کرتے تھے) آج تمہیں ذلت آمیز عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔

1) اس آیت کی عربی میں دیکھیے کہ دو لفظ اخرجوا نفسکم آئے ہیں جس کا مفہوم علماء حضرات یوں کرتے ہیں کہ فرشتے آکر کہتے ہیں کہ نکالو اپنی روحیں ہم نے چار اہم لغات میں نفس کے معنی دیکھے، ان میں نفس کا ترجمہ روح نہیں ملا۔ یہاں تک کہ علماء حضرات میں اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی کہ نفس کا ترجمہ روح لکھ دیں سوائے دو تین علماء کے۔ ہم نے اسی آیت کے 08 ترجمے دیکھے ہیں جن میں نفس کا ترجمہ روح نہیں ملا۔ ان میں شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا محمود الحسن، احمد رضا خان اور مولانا مودودی سرفہرست ہیں۔ اب جو بات وہ لغات اور تراجم میں نہیں ڈال سکے اسے تفسیر میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اخرج جس کے بنیادی معنی نکالنا ہیں لیکن اسی شے کے لئے جو باہر نکل سکتی ہو جیسے سورۃ اعراف آیت 82 میں لکھا ہے اخرجوھم من قریتکم نکالو ان کو اپنی بستیوں سے یہاں پر چونکہ لوگوں کو بستی سے نکالا جا سکتا ہے تو لفظ اخرج کے معنی باہر نکالنا ہی ہونگے لیکن جو شے باہر نہ نکل سکتی ہو اس کا ترجمہ باہر نکالنا کر بھی دیا جائے تو مفہوم باہر نکالنا نہیں ہوگا جیسا کہ سورہ نور آیت 40 میں لکھا ہے اذا اخرج یدہ لم یکد یراہ اس آیت میں ایک اندھیرے کا ذکر ہے جہاں لفظی ترجمہ یوں ہوگا جب وہ اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے دیکھ نہ پائی ہاتھ چونکہ ایسا نہیں کہ جسم سے باہر آئے لہٰذا مفہوم ہوگا جب وہ اپنا ہاتھ اپنے سامنے لائے تو اسے دیکھ نہ پائے اسی طرح ایک اور آیت بھی دیکھ لیں إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ اور اگر وہ تم سے سوال کرے اور اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کینہ کو ظاہر کر دے گا سورۃ محمد آیت 37 اس آیت میں بھی یہی لفظ اخرج استعمال ہوا ہے (فعل مضارع کے صیغے میں) یہاں بھی اسکے معنی نکالنا نہیں بلکہ ظاہر کرنا یا سامنے لانا ہونگے کیونکہ انسان میں بغض اور کینہ ایسی شے نہیں جو جسم سے باہر آ جائے بلکہ یہ اس کی بگڑی ہوئی سوچ ہے جو بعض موقعوں پر ظاہر ہوتی ہے اور سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح نفس بھی کوئی ایسی شے نہیں ہے جو جسم سے باہر آ جائے لہٰذا جب حالت نزاع میں فرشتے آتے ہیں تو انسان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب ظاہر کرو اپنی ذات یعنی اپنی وہ بگڑی ہوئی شخصیت جو تم ہمارے آنے سے پہلے لوگوں کو دکھاتے پھر رہے تھے وہ ہمارے سامنے لاؤ۔ دنیا میں بھی جب کوئی کسی کو سزا دیتا ہے تو اس طرح کے کلمات ادا کرتا ہے۔ مقصد اسے ذلیل کرنا ہوتا ہے۔ علماء اتنی سادہ سی بات نہ سمجھے اور اسے روح نکالنے کی کہانی بنا کر رکھ دیا۔

(2) اس آیت میں اگر نفس کا مطلب روح لے بھی لیا جائے تو بھی اس کی موت کو ماننا ہوگا کیونکہ آیت **کل نفس ذائقۃ الموت** کے مطابق نفس مر جاتا ہے لہٰذا ایک مری ہوئی شے کو باہر نکالنے کا نظریہ تو یوں بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

(3) اگر فرشتے آئے ہیں روح نکالنے کے لئے تو وہ بھلا انسان سے کیوں کہیں گے کہ اپنی روح نکالو کیا انسان اپنی روح

نکال کران کو دے گا۔ یہ علماء ایسا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہیں کہ عربی متن کہیں اور ان کی تفسیر کہیں اور جاری ہوتی ہے۔

(4) جب تک انسان کے متعلق یہ باطل نظریہ قائم رہے گا کہ وہ جسم کے بغیر بھی کوئی شے ہے تب تک علماء آیات کی اسی قسم کی تاویلات کرتے رہیں گے یاد رہے کہ اللہ کی ایسی کوئی مخلوق نہیں جو اپنے جسم کے علاوہ بھی اپنا وجود رکھتی ہو۔ انسان نے یہ احمقانہ نظریہ کسی مخلوق کے بارے میں نہیں رکھا پر افسوس خود اپنے ہی متعلق اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔

(5) ان علماء نے کبھی یہ جملہ نہیں لکھا کہ نفس جسم سے نکل جاتا ہے یا باہر آجاتا ہی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ نفس جسم سے باہر نہیں آتا۔ ذرا علماء کا کمال دیکھیے کہ نفس کے جسم سے باہر نکلنے کا ذکر نہیں کرتے لیکن جیسے ہی انسانی روح کا عقیدہ بیان کرنا ہو تو نفس کا مفہوم روح کرتے ہوئے اسے جسم سے باہر نکالنے کا نظریہ دے ڈالتے ہیں۔ اگر یہ اپنی بات میں اتنے ہی سچے ہیں تو کیوں نہیں لکھ دیتے کہ نفس جسم سے باہر آجاتا ہے۔

(6) حقیقت یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی طرح انسان کی موت کے وقت بھی کوئی شے جسم سے نہیں نکالی جاتی۔ اسلاف میں بھی جنہوں نے روح کو صرف زندگی سے تعبیر کیا انہوں نے اس کے ڈالنے اور نکالنے کا انکار کیا جیسا کہ مولانا عبدالرشید نعمانی (دیوبند) فرماتے ہیں **بعض صوفیا نے کہا روح نہ جسم ہے نہ عرض بلکہ جوہر مجرد ہے یعنی بدن کی تدبیر و تحریک کے لئے اس کا بدن سے خاص تعلق ہے وہ نہ بدن میں داخل ہوتی ہے اور نہ خارج''** (لغات القرآن جلد سوم صفحہ 105 علامہ عبدالرشید) ہم روح کا مطلب جان یا زندگی بھی قرآن کے تعلق میں ہرگز قبول نہیں کرتے کیونکہ اس طرح بھی زندگی ختم ہونے پر روح کی موت کو ماننا پڑے گا۔ یہ قول صرف اس لئے پیش کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ روح نکلنے کا انکار ہم سے پہلے بھی لوگ کر چکے ہیں۔ البتہ اس قول میں روح کی جگہ نفس کا لفظ ہوتا تو پھر یہ بات بالکل صحیح ہو جاتی۔ اس کا عربی متن ہمارے پاس نہیں ہے ممکن ہے کہ وہاں نفس ہی لکھا ہوا گر ایسا ہے تو پھر یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ نفس نہ جسم میں داخل ہوتا ہے اور نہ خارج۔ جسم میں ہی اس کی تخلیق ہوتی ہے اور جسم میں ہی اس کی موت ہو جاتی ہے۔ حالت نزاع سے متعلق سورۃ انعام آیت 93،61, سورہ النحل آیت 32،28- سورہ انفال آیت 50 اور سورۃ محمد آیت 27 کا مطالعہ کریں۔ ان کی عربی میں بھی کہیں روح اور اس کے نکلنے کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوا۔

(7) اگر آپ کسی عالم سے سوال کریں کہ موت کے وقت روح جسم سے باہر آتی ہے یا نفس تو وہ بے ساختہ کہہ دے گا کہ روح، اس طرح وہ یہ ثابت کر دے گا کہ روح اور نفس الگ الگ ہیں۔ پھر سوال کریں کہ قرآن میں جتنی آیات سے روح نکالنے کا عقیدہ بیان کیا جاتا ہے وہاں تو عربی میں نفس لکھا ہے روح نہیں تو وہ کہے گا کہ روح اور نفس ایک ہی شے ہے لیکن ایسا کہہ کر بھی وہ مزید پھنس جائے گا کیونکہ آپ کا تیسرا سوال یہ ہوگا کہ اگر روح اور نفس ایک ہی شے ہے تو جب آپ سے پہلے پوچھا تھا کہ جسم سے کیا شے باہر آتی ہے روح یا نفس تو اس وقت کیوں نہیں کہا تھا کہ روح اور نفس ایک ہی شے ہے۔ اس طرح ان علماء کے جھوٹ کا پول آپ کے سامنے کھل جائے گا۔

سوال نمبر 4 اگر انسانی روح نہیں ہے تو پھر عالم برزخ میں کس کو روک دیا جاتا ہے؟

جواب: انسانی روح کی طرح عالم برزخ کا بھی کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ یہ علماء کی اپنی ایجاد ہے جس کا اعتراف خود علماء حضرات یوں کرتے ہیں۔ مولانا ناز اہد محمود قاسمی فرماتے ہیں ''انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ جس مردہ کو اِس قبر میں دفن نہیں کیا جاتا کیا اُس کو عذاب قبر نہ ہوگا تو علماء اسلام نے ان کے اعتراض کا جواب یوں دیا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ جملہ علمائے اسلام نے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کے لئے کہا ہے (کتاب روح کیا ہے صفحہ 284)

لیجیے صاف ظاہر ہوگیا کہ لفظ عالمِ برزخ منکرین عذاب قبر کو جواب دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے اس کا قرآن و حدیث میں کوئی ذکر نہیں مگر ایسا کر کے بھی یہ علماء کامیاب نہ ہو سکے بلکہ عالم برزخ کے نظریہ کو سنبھالنے کے لئے اور بھی بہت سے گمراہ عقیدے تیار کرنے پڑے۔ مثال کے طور پر اہل حدیث عالم قاری خلیل الرحمٰن فرماتے ہیں کہ یہی معاملہ عذاب قبر کا ہے حالانکہ ابھی وہ زندہ ہوتا ہے صرف مرنے کے قریب ہوتا ہے لیکن اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کو وہ بتانے سے قاصر ہے اور لواحقین دیکھنے سے قاصر ہیں اسی کا نام آڑ اور پردہ ہے جسے قرآن نے لفظ برزخ سے تعبیر کیا ہے (پہلا زینہ صفحہ (117-118))

دیکھا آپ نے، پہلے تو حالت نزاع کو ہی عذاب قبر بنا دیا اور پھر جب کہ آدمی کے زندہ ہونے کا اقرار کر رہے ہیں اسکی اس حالت کو بھی برزخ قرار دے دیا یعنی موت سے پہلے ہی برزخ اور ان علماء نے تو سوتے ہوئے شخص کی نام نہاد روح کو بھی عالم برزخ میں بھیجنے کا عقیدہ دے رکھا ہے۔ اور پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ عالم برزخ پر علماء متفق ہوں بلکہ ان کا اس پر آپس اتنا زیادہ اختلاف ہے کہ اگر ہم یہاں بیان کرنے لگ جائیں تو اصل سوال سے ہی دور رہ جائیں گے۔ آیئے اب برزخ والی آیت کو دیکھتے ہیں۔

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ O لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ O یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت پہنچتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے لوٹا دے۔ تاکہ میں نیک عمل کر سکوں ان کاموں میں جو میں نے چھوڑ رکھے تھے ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک رکاوٹ ہے اس دن تک کے لئے جب وہ زندہ کئے جائیں گے۔ سورہ 23 آیت 99 علماء جانتے ہیں کہ قبر میں جسم گلنے سڑ جاتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ جسم مٹی بن جاتا ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ کوئی ایسا جہان تشکیل دیا جائے جہاں پر علماء کی بنائی ہوئی انسانی روح کو ٹھکانہ دیا جا سکے لہٰذا انہوں نے آیت میں لفظ برزخ جس کا مطلب رکاوٹ تھا اسے عالمِ برزخ بنا ڈالا۔ اس آیت کا صحیح مفہوم یوں ہے

اس آیت میں ایک ایسے وقت کا ذکر ہے جب ایک شخص کے پاس موت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں وہ ابھی مرا نہیں ہے بلکہ سکرات کی حالت میں ہے۔ اس کے اختیارات اس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں، وہ بے بس ہوگیا ہے، لہٰذہ وہ اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ مجھے میری پہلی حالت میں لوٹا دیا جائے تاکہ میں نیک عمل کر سکوں۔ بعض علماء نے اس کلام کو حالت سکرات سے ہی متعلق رکھا ہے لیکن بعض علماء نے تجاوز کرتے ہوئے اس کلام کو موت کے بعد ٹھہرا لیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بندہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا ہے اور وہاں پر انسانی روح اللہ سے درخواست کر رہی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو جواب دے رہے ہیں حالانکہ آیت میں یہ لکھا ہی نہیں کہ موت کے بعد وہ درخواست کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کے ساتھ کوئی مکالمہ بھی نہیں ہو رہا۔ آپ اس آیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ بات مومنوں کو بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اس کی درخواست کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ موت سامنے آچکی ہے جیسا کہ آیت کے شروع میں ہی موت کے اس آدمی تک پہنچنے کا ذکر کیا گیا۔

ایک اہم بات جس پر سب کا اتفاق ہے کہ دو زندگیوں کے درمیان ہی برزخ ہے تو اللہ کی کتاب میں ہی دیکھ لیتے ہیں کہ دو زندگیوں کے درمیان میں وہ کیا چیز ہے جسے برزخ کہا جا سکے۔ ارشاد باری ہے کہ تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو تم تھے مردہ پھر ہم نے

تمہیں زندہ کیا پھر ہم تمہیں موت دیں گے اور پھر زندہ کریں گے پھر تم اللہ کی طرف پیش کیئے جاؤ گے سورۃ البقرۃ 2 آیت 28 ۔اس آیت میں دیکھئے کہ اللہ نے دو زندگیوں کے درمیان موت کا ذکر کیا لہذا موت ہی وہ برزخ ہو سکتی ہے جو دو زندگیوں کے درمیان موجود ہے[1]۔مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے بھی سورۃ المومنون آیت ۱۰۰ کی تفسیر میں تفسیر خازن سے نقل کرتے ہوئے برزخ کے متعلق لکھا ہے کہ ''جو انہیں دنیا کی طرف واپس ہونے سے مانع ہے اور وہ موت ہے ۔(کنزالایمان)

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ علماء کو بھی سب معلوم ہے کہ حقیقت کیا ہے لیکن عام لوگوں کو انہوں نے اس سے محروم کر رکھا ہے۔

سورہ المومنون آیت 100-99 کے ترجمے سے متعلق خاص نکات:

(۱) اکثر علماء نے اس آیت کے ترجمے میں لکھا ہے کہ جب بندے کو موت آجاتی ہے یہ غلط ترجمہ ہے کیونکہ اس کا یہ قول حالت نزاع سے متعلق ہے جب بندے کی موت کا ہونا ابھی باقی ہوتا ہے۔شبیر احمد عثمانی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں حالت نزاع کے وقت کا ہی اظہار کیا ہے۔(۲) اس سے اگلی آیت میں دوسری غلطی علماء یہ کرتے ہیں کہ وہ لکھتے ہیں کہ وہ بندہ اللہ سے کہتا ہے کہ مجھے واپس بھیج دے اس دنیا میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں ۔ یہ بھی ترجمہ غلط ہے، ایک تو اس آیت کی عربی میں دنیا کا ذکر نہیں دوسری بات یہ ہے کہ ابھی اس کی موت ہی نہیں ہوئی ہے لہذا وہ پہلی زندگی کے تسلسل میں ہی ہے البتہ اس مرحلے میں صرف اُس کا اختیار چھین لیا گیا ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھلا یہ کیوں کہے گا کہ وہ دنیا چھوڑ آیا ہے جبکہ اس نے ایسا اپنی مرضی سے نہیں کیا۔یہاں تو اس کام کی طرف اشارہ ہے جو اس نے اپنی مرضی سے چھوڑا تھا یعنی عمل صالح اور اسی کی طرف وہ اشارہ کر رہا ہے جیسا کہ عبداللہ یوسف علی نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "In order that I may work righteousness in the things I neglected."

ترجمہ: تاکہ میں نیک عمل کروں ان کاموں میں جو میں نے نظر انداز کر رکھے تھے یعنی اس آیت میں دنیا کو نہیں بلکہ نیک اعمال چھوڑنے کا ذکر ہو رہا ہے۔وہ ابھی حالت نزاع میں ہے اور صرف اس کی activity یعنی کچھ کرنے کی صلاحیت سلب کر لی گئی ہے لہذا وہ دل ہی دل میں اللہ سے درخواست کر رہا ہے کہ مجھے اسی حالت میں لوٹا دے جس میں وہ پہلے موجود تھا۔

اس بات کو ہر وہ شخص بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے جس پر کسی بیماری کا شدید حملہ ہوا ہو اور وہ کچھ بھی کرنے سے معذور ہو جائے تو پھر وہ دل ہی دل میں اللہ کو پکارتا ہے اور کچھ وعدے بھی کر لیتا ہے لیکن جب وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر وہی کرنے لگتا ہے ۔ یہ دونوں حالتیں ملتی جلتی ہیں بس فرق یہ ہے کہ حالت نزاع میں آنے کے بعد وہ اپنی پچھلی حالت میں لوٹایا نہیں جاتا جبکہ مرض کی حالت میں وہ اپنی پچھلی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے۔حالت نزاع میں انسان کا نفس ہی اللہ سے مخاطب ہوتا ہے اور پھر جب موت اپنا کام مکمل کر لیتی ہے تب نفس مردہ ہو جاتا ہے اور اسکی تمام صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اب تھوڑا سا غور اس بات میں بھی کر لیں کہ علماء حضرات جو برزخ کے متعلق بیان کرتے ہیں وہ خود اس پر قائم نہیں رہتے۔مثال کے طور یہ کہا جاتا ہے کہ برزخ ایک ایسی آڑ ہے جو مرنے والے شخص اور اس دنیا کے درمیان کھینچ دی جاتی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرنے والا کہاں ہے اگر وہ جنت یا جہنم میں ہے تو برزخ پھر اُس جگہ (یعنی جنت و جہنم) اور اس دنیا کے درمیان ہوئی لہذا اس حساب

سے کوئی شخص بھی برزخ میں نہیں ہوسکتا کیونکہ برزخ کو کہا ہی یہ جا رہا ہے کہ وہ مرنے والے شخص اور اس دنیا کے درمیان میں ہے۔ایک عالم نے برزخ کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ جیسے دو گھروں کے درمیان ایک دیوار ہوتی ہے کہ ادھر کا شخص اُدھر نہیں جا سکتا اور اُدھر کا شخص ادھر نہیں آ سکتا۔ہم نے ان سے عرض کی کہ آپ اس بات پر اب قائم رہنا۔ہم نے انہیں مزید ثابت قدم رکھنے کے لئے کہا کہ جیسے اللہ نے قران میں دو دریاؤں کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے کیوں کہ ان کے درمیان برزخ ہے ایک رکاوٹ جو انہیں ملنے نہیں دیتی وہ بولے کہ ہم بھی تو یہی کہہ رہے کہ جس طرح ادھر کا پانی ادھر نہیں جاتا اسی طرح مرنے والا برزخ کے پار چلا جاتا ہے اب وہ ادھر نہیں آ سکتا۔تب ہم نے ان سے کہا کہ دیکھیے آپ خود کہہ چکے کہ بندہ مرنے کے بعد برزخ یعنی رکاوٹ کے دوسری طرف چلا گیا ہے اب وہ واپس نہیں آ سکتا تو پھر وہ برزخ میں تو نہ ہوا۔اور ہمیں یہ بتا دیں کہ وہ جو دوسری طرف گیا ہے اس جگہ کا کیا نام ہے۔کہنے لگے کہ برزخ ہی میں تو گیا ہے۔ہم نے ان سے عرض کی کہ مولانا صاحب کیا فرما رہے ہیں ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ وہ برزخ کے دوسری طرف ہے یعنی آپ ہی کے قول کے مطابق برزخ تو اس شخص اور ہماری اس دنیا کے درمیان کی کوئی چیز تھی جسے اب آپ نے اچانک سے دوسری طرف کا نام دے دیا۔تب وہ چونکے کہ وہ کہاں پھنس گئے تھے۔پھر وہ بولے میاں یہ اللہ کے بھید ہیں ہم صرف ان پر ایمان لا سکتے ہیں انہیں سمجھ نہیں سکتے۔گو کہ ان کی برزخ تحلیل ہو چکی تھی لیکن انا بھی تو کوئی شے ہے وہ بھلا کس طرح اس طرف رجوع کر لیتے ہم نے اب تک کسی شخص کو برزخ کے معاملے میں ایک جگہ پر کھڑا نہیں پایا۔اصل بات یہ ہے کہ جس طرح دو دریاؤں کے درمیان کوئی تیسرا دریا نہیں، اسی طرح دو زندگیوں کے درمیان کوئی تیسری زندگی نہیں۔

سوال نمبر 5۔ اگر انسانی روح نہیں ہے تو سورہ الزمر آیت 42 میں کس شے کے روک لینے اور چھوڑ دینے کا ذکر آیا ہے؟

اللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ O ترجمہ **اللہ نفسوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور اس کو بھی جسے موت نہیں آئی (بس) نیند میں ہو پس جن پر موت مکمل ہو جائے انہیں روک دیتا ہے اور دوسروں کو ایک معینہ مدت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں** O سورۃ الزمر آیت 42

جواب:

ا) یہ آیت بھی پچھلی آیات کی طرح ہے یہاں بھی لفظ روح کے بجائے لفظ نفس آیا ہے۔لہٰذا یہاں بھی روح کے روک لینے یا چھوڑ دینے کی بات نہیں بنتی۔جو بات اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ نفس ہی کے متعلق ہے اور علماء جانتے ہیں کہ نفس وہ شے نہیں جو جسم سے باہر آ جائے تو اسی لئے انہوں نے اپنی کسی تحریر میں نفس کے جسم سے باہر نکلنے کا جملہ نہیں لکھا۔اب یہ کمال کا دھوکہ ہے کہ جب تک نفس عربی میں لکھا رہے تو وہ جسم کے اندر ہی مانا جاتا ہے اور جیسے ہی اس کا ترجمہ روح کیا جائے وہی نفس جسم سے باہر آ جاتا ہے۔اس سے بڑھ

کر دھوکہ اور فریب کیا ہوسکتا ہے

اس آیت کے متعلق ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ نفس کی اسی آیت کے پہلے حصے میں موت بیان کی جارہی ہے تو پھر اگر اس نفس کو روح مان بھی لیا جائے تو بھی اس کی تو موت ہی ہوگئی لہٰذا اب نکلنا اور واپس آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ علماء کا خود کا کہنا ہے روح نکل جائے تو موت واقع ہوجاتی ہے تو پھر جو شخص سویا ہوا ہے روح نکلنے پر اس کی موت واقع کیوں نہ ہوئی؟ (پہلا سوال تو شائد ان سے اب تک کسی نے نہیں کیا) البتہ دوسرا سوال ان سے ہو چکا جس کے لئے انہوں نے ایک ایسے جھوٹ کا سہارا لیا ہے جس کا قرآن میں ہونا تو ناممکن تھا ہی البتہ کتب روایات میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ سنیئے وہ جھوٹ جہاں یک شد نہ شد دو شد یعنی ایک جسم میں دو انسانی روحوں کا عقیدہ دیا جارہا ہے۔

۲) **دو روحوں کا نظریہ:** اسی آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی (اہل حدیث) فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک روح حیوانی جس کا تعلق گردش خون سے ہوتا ہے جب تک گردش خون برقرار رہتا ہے یہ روح بھی موجود ہوگی۔ گردش رک جائے تو روح ختم ہوجاتی ہے یا نکل جاتی ہے۔ دوسری قسم کی روح نفسانی ہوتی ہے جسے روح نفسانی بھی کہہ سکتے ہیں روح کی یہ قسم وہ ہے جو دوران خواب سیر کرتی ہے (روح، عذاب قبر اور سماع موتٰی صفحہ 15-14) یہ نظریہ عام لوگوں سے بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ جھوٹ صرف اس لئے گھڑا گیا تا کہ اگر کوئی سوال کرلے کہ دورانِ نیند روح نکل جاتی ہے تو پھر سوئے ہوئے شخص کی موت واقع کیوں نہ ہوتی تو یہ کہہ سکیں کہ روح انسانی تو جسم سے نکل جاتی ہے لیکن روح حیوانی جسم میں موجود رہتی ہے اس وجہ سے بندہ زندہ رہتا ہے۔ ان کے پاس دو روحوں کی نہ کوئی آیت ہے اور نہ حدیث یہ ان کی اپنی سائنس ہے جو انہوں نے روح انسانی کے متعلق جھوٹی روایات کو بچانے کے لئے خود ایجاد کی ہے۔ جس آیت میں ایک روح کا ذکر نہ ہو وہاں دو روحیں ڈال دینا ان علماء کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

۳) **نفس ہوش کا دوسرا نام:** شاہ عبدالقادر صاحب بھی **دو جانوں** کے الفاظ میں دو روحوں کا نظریہ پیش کر چکے ہیں وہ لکھتے ہیں "نیند میں بھی جان کھنچتی ہے جیسے موت میں اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہ ہی موت ہے مگر یہ وہ جان ہے جسے (ظاہری) ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی" (موضع القرآن الزمر آیت ۴۲) اس تفسیر میں خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے لفظ نفس کی نشاندہی ہوش کے معنوں میں کردی ہے جو صحیح بات کے قریب ہے۔ درحقیقت انسانی نفس ہی وہ انسانی ذات ہے جو ہوش رکھتی ہے۔ یہ ذات چیزوں کو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس کرتی ہے۔ اچھے برے خیالات اسی نفس میں پیدا ہوتے ہیں جن کی تکمیل کے لئے نفس جسم کو استعمال کرتا ہے۔ یہ نفس جسم سے الگ کوئی شے نہیں۔ اگر ایک جسم کی مثال بلب سے دی جائے تو نفس اس کی روشنی ہے تو پھر جس طرح بلب کی روشنی ختم تو ہوسکتی ہے لیکن بلب سے الگ نہیں ہوسکتی اسی طرح انسانی نفس ختم تو ہوسکتا ہے پر جسم سے جدا نہیں ہوسکتا۔

۴) **موت سے پہلے وفات:** یوں تو عام طور پر لفظ وفات موت کے معنوں میں بیان ہوتا ہے لیکن جب ایک ہی آیت میں نفس

کی موت اوراس کی وفات کا بھی ذکر ہوتو پھر یہ غور کرنا پڑے گا کہ اس آیت میں موت اور وفات کا فرق کسی شے کو واضح کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ یہاں پہلے اس شخص کا ذکر کیا گیا جسے ابھی موت نے چھوا ہے لیکن وہ ابھی مرا نہیں ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ **اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا** کے الفاظ آئے یعنی اللہ نے نفس کو وفات دی جب اس کی موت کا وقت آیا اور بعد میں لکھا ہے کہ **فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضَی عَلَیْهَا** یعنی جب اس پر موت کا عمل مکمل ہوا تو اس نفس کو روک دیا گیا۔یعنی جب نفس کی وفات کا ذکر ہوا تو موت کا عمل مکمل نہیں ہوا تھا۔ پھر جب نفس کی وفات کے بعد اس پر موت کا عمل بھی مکمل ہوا تب اس کے نفس کو روک دیا گیا یعنی اس کی تمام صلاحیتیں روک دی گئیں۔

۵) اب یہ دیکھنا ہے کہ وفات کیا شے ہے جسے موت کے عمل پورا ہونے سے پہلے ہی نفس پر طاری کردیا جاتا ہے۔ یہ بات سمجھ آئے گی اس شخص کی حالت کو جان کر جو سویا ہوا ہے کیوں کہ اللہ نے اس کے نفس کو بھی اسی آیت میں وفات دینے کا ذکر کیا ہے۔ جب انسان سوجاتا ہے تو اس کی تمام ورکنگ جاری رہتی ہیں سوائے ایک شے کے اور وہ ہے اس کی عمل کرنے کی صلاحیت یہی وہ شے ہے جو اس بندے پر بھی طاری ہوجاتی ہے جس کو ابھی موت نے چھوا ہے یعنی جو حالت سکرات میں ہے۔ وہ بھی نیند والے شخص کی طرح سانس بھی لیتا ہے اور محسوس بھی کرتا ہے لیکن کچھ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو دونوں میں ایک جیسی ہوتی ہے اور اس آیت میں اسی شے کے چھن جانے کو نفس کی وفات کہا گیا ہے۔ پھر جب موت اپنا کام مکمل کرلیتی ہے تو نفس موت کی حالت میں چلا جاتا ہے اس کے بعد نفس کے محسوس کرنے کی صلاحیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سوئے ہوئے شخص کی محسوس کرنے کی صلاحیت برقرار رہتی ہے تو وہ اپنے گردوپیش سے کیوں بے خبر ہوجاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیند کے غلبے کی وجہ سے محسوس کرنے کی صلاحیت مدھم ہوجاتی ہے ختم نہیں ہوتی جب کوئی شور پیدا ہوتا ہے تو محسوس کرنے کی صلاحیت کی وجہ سے ہی انسان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔بعض لوگ معمولی شور سے جاگ جاتے ہیں اور بعض لوگوں کی نیند گہری ہوتی ہے انہیں ہلا کر یا زور سے آواز دے کر اٹھایا جاتا ہے۔

۶) **نفس کا روکنا اور چھوڑنا:** علماء کہتے ہیں نفس کے روک لینے اور چھوڑ دینے سے مراد روح کا کسی مقام پر روک لینا اور پھر جسم کی طرف چھوڑ دینا ہے۔ یہ علماء کی کم فہمی ہے یا دھونس کہ ایک ہی آیت میں نفس کے روکنے اور چھوڑنے کی بات آئے تو اس نفس کو روح بنادیں اور جب اُسی آیت میں نفس کی موت کا ذکر آجائے تو اسی نفس کو جسم ٹھہراتے ہوئے کہیں کہ یہاں نفس کی موت کا مطلب جسم کی موت ہے۔دیکھیے آیت میں صاف لکھا ہے **اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا**۔۔ ترجمہ: **اللہ نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے**۔۔۔لہٰذا یہ کس قدر احمقانہ پن ہوگا کہ نفس کا مطلب ہم اسی جگہ پر روح لے لیں اور جیسے ہی **حِیْنَ مَوْتِهَا** کے الفاظ میں اس نفس کی موت کا ذکر آجائے تو ہم اسی نفس کو جسم سمجھنا شروع کردیں۔ یہ سب کچھ صرف جھوٹی روایات کو بچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دو الفاظ **فَیُمْسِکُ** اور **یُرْسِلُ** آئے ہیں جس کا مطلب کسی شے کا روکنا اور چھوڑنا ہے، یقیناً ایسا ہی ہے لیکن عربی زبان میں جو شے سفر نہ کرتی ہو اور ایک ہی جگہ پر کام کررہی ہو تو اس کے کام کو روکنے کے لئے بھی امسک کا لفظ استعمال ہوجاتا ہے۔اور

ہمارے ہاں اردو زبان میں بھی لفظ روکنا ایک ہی جگہ پر موجود شے کے کام کرنے کے عمل کو روکنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ واشنگ مشین کا ٹائمر سرکل مکمل ہونے پر مشین کو روک دیتا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ واشنگ مشین کسی جگہ پر چل گئی تھی اور اسے وہاں سے واپس آنے پر روک دیا گیا ہے۔اسی طرح چونکہ نفس بھی کوئی ایسی شے نہیں جو جسم سے باہر نکل جاتا ہو (جس کا ثبوت علماء کے خود کے ترجمے اور تحریریں بھی ہیں جو وہ آج تک نہ لکھ سکے کہ نفس جسم سے باہر آجاتا ہے اور اسے کہیں روک دیا جاتا ہے)۔لہٰذا نفس کا روکنا بھی اس کے عمل یعنی activity کو روکنا ہی تصور کیا جائے گا۔اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیت میں عربی لفظ امسک (معنی روکنا) کا استعمال بھی دیکھ لیں

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ۔۔۔O سورہ الملک آیت 17

اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ایسا ہے جو تمہیں رزق دے سکے۔۔۔

اس آیت میں رزق روک لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رزق اللہ کے پاس کسی جگہ پر موجود تھا اور اللہ نے وہاں سے اس کی ترسیل روک دی بلکہ وہ رزق جو ہمیں ہمارے قریب سے ہی حاصل تھا اللہ چاہے تو اس کی پیداوار روک دے یا پھر وہ تمہارے سامنے ہی موجود کیوں نہ ہو وہ اسے کسی بیماری یا کسی اور سبب تمہاری دسترس سے باہر کر دے۔اب دوسرے لفظ یُرْسِل کا جائزہ لیتے ہیں۔یہ لفظ قرآن میں بہت سی جگہوں میں ان معنوں میں نہیں آیا جن معنوں میں یہ علماء حضرات اس مذکورہ آیت میں لے رہے ہیں۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو کیا وہ رسول اللہ تعالیٰ کے پاس کسی جگہ پر موجود تھے اور وہاں سے وہ لوگوں کے پاس آئے۔یقیناً ایسا نہیں ہوا۔سب جانتے ہیں کہ وہ رسول لوگوں کے درمیان ہی رہتے تھے تو جس طرح ان کا یُرْسِل یعنی بھیجنا کسی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانا نہیں تھا۔اسی طرح اس آیت میں یُرْسِل سے مراد نفس کی activity کا بحال ہونا ہے جو نیند کی حالت میں روک دی گئی تھی۔

۷) **آیت پر غور وفکر کی دعوت:** جب ہم نے بعض لوگوں سے اس آیت پر بات کی تو کہنے لگے کہ اللہ نے روح پر بات کرنے سے منع کیا ہے حالانکہ اس آیت میں اللہ نے روح کا ذکر ہی نہیں کیا دوسری بات یہ ہے کہ آیت کے آخری حصے میں لکھا ہے کہ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ O ترجمہ: بے شک اس میں نشانیاں ہے ان کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔اب بھلا بتایئے کہ اللہ تو اس آیت میں غور وفکر کی دعوت دے رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ ہے۔ایسا صرف اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ جن باطل عقائد کو رکھ کر بیٹھے ہیں کہیں ان کا پول نہ کھل جائے۔

سوال نمبر 6 اگر انسانی روح نہیں ہے تو کیا موت کی صورت میں انسان کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں انسان جو دو چیزوں (یعنی نفس اور جسم) کا مجموعہ ہے موت کا عمل مکمل ہو جانے پر نفس اور جسم دونوں کا سسٹم روک دیا جاتا ہے۔اس طرح انسان کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے جبکہ لوگوں کی اکثریت کے نزدیک موت صرف ایک جزوقتی حملہ ہے جس میں

مردے کی تمام صلاحیتیں وقتی طور پر معطل ہوجاتی ہیں اور پھر کچھ وقت کے بعد دوبارہ لوٹ آتی ہیں ۔ وہ فرشتوں کے سوال اور لوگوں کے سلام کو سن کر ان کا جواب بھی دیتا ہے غرضیکہ اگر من گھڑت روایات اور عقائد کے حساب سے دیکھا جائے تو موت کے بعد انسان کی صلاحیتوں میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک موت محض ایک ایسی کاروائی ہے جس کے بعد بندے کی روح اور اس کا جسم الگ الگ ہو کر بھی محسوس کرنے کی صلاحیت کو برقرار رکھتا ہے ان کے نزدیک مردہ لوگ زندہ انسانوں سے صرف ایک پردے کی اوٹ ہوجاتے ہیں ۔ پھر انہی لوگوں میں سے بعض کے عقائد کے مطابق مردہ لوگوں کی روحیں زندہ لوگوں سے ملاقات بھی کر لیتی ہیں یوں اس اوٹ کا فرق بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔

پھر ایک اور گروہ بھی ہے جو اس لحاظ سے تو بہتر ہے کہ وہ موت کے بعد انسانی جسم کی تمام صلاحیتوں کے بحال ہونے کا انکار کرتا ہے لیکن وہ بھی اصل انسان جو اِن کے نزدیک روح ہے اس کو موت دینے کے لئے تیار نہیں ۔ یہ لوگ موت کا اثر صرف جسم پر مانتے ہیں جبکہ کہ قرآن اور صحیح حدیث کے مطابق موت انسان کی ہوتی ہے صرف اس کے جسم کی نہیں ۔ یہ اللہ کا کرشمہ ہے کہ وہ لوگوں سے سچ اگلوا ہی لیتا ہے جیسا کہ اسی گروہ کے ایک عالم محمد سہیل (ڈاکٹر عثمانی گروہ) اپنے رسالے حبل اللہ میں کچھ آیات دکھا کر فرماتے ہیں کہ ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ مرجانے والوں کو مردہ و بے جان کہہ رہا ہے جو نہ سن سکیں اور نہ بات کر سکیں یہی بات سچ ہے کہ جس کی موت ہوئی ہے وہی مردہ ہوا ہے۔ یہ کہنا کہ صرف جسم کی موت ہوئی ہے یہ بات قرآن وحدیث میں کہیں موجود نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کی موت ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی موت ہوگئی یہ نہیں کہتا ہے کہ فلاں کے جسم کی موت ہوگئی ۔ اصل انسان چاہے کوئی اسے روح کہے یا قرآن اسے نفس کہے اس کی موت ہی انسان کی موت کہلاتی ہے ۔ صرف جسم کی موت مان کر اصل ہستی کو موت سے بچالینا یہ کوئی موت نہیں بلکہ الٹا یہ کل من علیھا فان کا کھلا انکار ہے ۔ آیئے قران و حدیث سے موت کا صحیح مفہوم تلاش کرتے ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

جب یہ (نافرمان) جہنم میں ایک تنگ جگہ پر ڈالے جائیں گے تو موت کو پکاریں گے ۔ (جواب ملے گا) آج ایک نہیں بہت سی موتوں کو پکارو۔ سورہ فرقان آیت 14-13 یہاں سوچنے کا مقام ہے کہ اگر موت کے بعد بھی عذاب ہوتا تو وہ بھلا جہنم میں موت کیوں مانگتے معلوم ہوا کہ موت سے آدمی سکون میں آجاتا ہے اور اس کی تکالیف ختم ہوجاتی ہیں اسی لئے وہ موت کی تمنا کریں گے ۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم ہے ان پر (عذاب) ختم نہیں ہوگا ایسے کہ انہیں موت آجائے اور نہ ہی ان کے عذاب میں کمی ہوگی ۔ سورہ فاطر آیت 36

ہمارے علماء بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ موت کے بعد تکلیف کا خاتمہ ہوجاتا ہے جیسا کہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

" نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکلیف کا خاتمہ ہوجائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہوگی " اسی طرح محمد سہیل (توحیدی) فرماتے ہیں کہ قرآن نے بتا دیا کہ عذاب سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کو موت آجائے یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں کمی فرمادے ۔ یوں یہ بات کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ موت وہ شے ہے جس سے عذاب ختم ہوجاتا ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب محسوس کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہے ۔ یہی وجہ تھی کہ جب مریم علیہ السلام کو دردزہ نے چھوا تو وہ بولیں **کاش مجھے اس سے پہلے ہی موت آجاتی اور میں ہوجاتی بھولی بسری داستان ۔ سورہ مریم آیت 23** انہوں نے بھی یہ جملہ اسی لئے کہا کہ اگر ان کو اس تکلیف سے پہلے ہی موت آجاتی تو وہ اس کو سہنے سے بچ جاتیں ۔ معلوم ہوا کہ موت تکلیف کے احساس کو ختم کر دیتی ہے ۔ موت کے اسی مفہوم کی وضاحت کرتے

ہوئے محمد سہیل (توحیدی) فرماتے ہیں کہ بخاری کی ایک روایت میں آتا ہے وفات سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف تھی فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ افسوس میرے والد کو بہت تکلیف ہے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے[1] والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی) یعنی اللہ کے رسول کو جب موت آئی تو وہ سکون میں آ گئے ایک اور روایت کے مطابق ابوطلحہؓ کا بیٹا وفات پا گیا جب وہ رات کو اپنے گھر آئے تو بیٹے کی خیریت پوچھی تو ان کی زوجہ نے کہا کہ اس کے نفس کو سکون آ گیا (بخاری کتاب الجنائز) یعنی موت ہوگئی

لسان العرب میں موت کا دوسرا نام سکون بیان کیا گیا ہے اس میں لکھا ہے "الموت السکون اور ہر وہ جو رک جائے وہ مر گیا، اور مرگئی آگ موت میں یعنی ٹھنڈی ہوگئی اس کی راکھ پھر نہ باقی رہا اس کی چنگاریوں میں سے کچھ اور مرگئی گرمی اور سردی اور مرگئی ہوا۔ یعنی ٹھہر گئی اور ساکن ہوگئی اور انہی اقسام میں ہے قوتِ حس کا ختم ہو جانا"

موت کی یہ تشریح نہایت ہی جامع انداز میں بیان ہوئی یعنی جب آگ اس طرح ختم ہو جائے کہ آخری چنگاری بھی باقی نہ رہے اور آخر میں قوت حس کے خاتمے کا اعلان موت کے مفہوم کو نہایت واضح کر دیتا ہے اور علماء بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ موت محسوس کرنے کی تمام صلاحیتوں کو مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے جیسا کہ قاری خلیل الرحمٰن فرماتے ہیں "اس لئے کہ دیکھنے سننے، بولنے، چھونے، حرکت کرنے اور سمجھنے کی جو صلاحیتیں ہم نے زندگی میں دے رکھی تھیں وہ مرنے کے بعد ہم نے سلب کر لی ہیں اور یہ سب کچھ چھن جانے کا دوسرا نام موت ہے۔ (پہلا زینہ صفحہ 91) موت کا اتنا صحیح مفہوم بتانے کے بعد بھی یہ لوگ صرف جھوٹی روایات کو بچانے کے لئے پٹری سے اتر جاتے ہیں اور موت کی یہ جامع تعریف صرف بدن کے لئے مقرر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی میں یہ تمام صلاحیتیں تو صرف بدن کو حاصل ہوتی ہیں اور موت کی صورت میں اسی بدن سے یہ واپس چھین لی جاتی ہیں۔ اب آپ یہ نہ سمجھیں کہ اپنی اس بات پر یہ علماء قائم رہتے ہیں۔ ہرگز نہیں جب چاہتے ہیں پلٹ جاتے ہیں جیسا کہ مولانا زاہد محمود قاسمی فرماتے ہیں "خالی بدن نہ تو ادراک و سمجھ رکھتا ہے اور نہ ہی اسے خطاب کیا جاتا ہے جو چیز سمجھنے والی ہے وہ تو روح ہے" (روح کیا ہے صفحہ 69) دیکھا آپ نے ان علماء کے نزدیک کوئی بات بھی حتمی نہیں ہے جب چاہا بدن کو ادارک اور محسوس کرنے والا بنا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں بدن کے محسوس کرنے کا انکار کر دیتے ہیں۔

ان کے مطابق اصل شے روح ہے جو چیزوں کو سمجھتی ہے اور خطاب بھی اسی روح سے ہوتا ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر اس آیت پر غور کریں کہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُم مَّیِّتُونَ○ بے شک تم بھی مردہ ہو جاؤ گے اور وہ بھی مردہ ہو جائیں گے۔ سورۃ الزمر 39 آیت 30 لہٰذا اگر اللہ روح سے مخاطب ہوتا ہے تو اسی روح سے وہ کہہ رہا ہے کہ بے شک تم مر جاؤ گے۔ لہذہ چاہے اسے کوئی روح کہے چاہے نفس اس کی موت ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اُسی اصل انسانی ذات سے مخاطب ہو کر اُسی ذات کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ شرک کے رد میں مر جانے والوں کی ان صلاحیتوں ہی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو انہیں زندگی میں حاصل تھیں۔ مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تمہاری طرح کے بندے تھے پس اگر تم سچے ہو تو انہیں پکار کر دیکھو کیا وہ تمہیں (اب) جواب دیتے ہیں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی

آنکھیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنیں۔سورۃ الاعراف 7 آیت 194-195

ان دو آیات میں اگر غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے جب قبر میں اس کے اعضاء ختم ہو چکے ہیں اور اعضاء کے خاتمے پر اللہ لوگوں کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان ہستیوں کے اعضاء تو بچے نہیں لہٰذا اب وہ تمہاری مدد کیسے کر سکتے ہیں۔اگر نام نہاد انسانی روح ہوتی اور اس کے اعضاء سلامت ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ کبھی ان کے اعضاء کا انکار کر کے ان کی صلاحیتوں اور حواس کا رد نہ فرماتے۔یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ وہ لوگ جو شرک کرتے ہیں وہ جسموں کو نہیں بلکہ درحقیقت اُن ہستیوں کو پکارتے ہیں جو اُن کے زعم میں اللہ تعالیٰ سے کچھ منوا سکتے ہیں۔اب اگر ان کی نام نہاد روحیں ان تمام صلاحیتوں اور توانائیوں سے مالا مال ہیں جو انہیں زندگی میں حاصل تھیں (بلکہ ان میں اضافہ بھی ہو گیا ہو) تو پھر ان کے جسموں کو مردہ مان لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔لہٰذا جو لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف جسم کو مردہ مان کر شرک کا راستہ روکا جا سکتا ہے وہ غلطی پر ہیں۔دنیا میں ہندو مذہب اس کی واضح مثال ہے کہ وہ لوگ اپنے مردے کو جلا ڈالتے ہیں لیکن اس کے باوجود شرک میں مبتلا ہیں۔کیونکہ وہ بھی اصل انسان کو موت دینے کے لئے تیار نہیں۔لگتا یہی ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں جو انسان کے اندر ایک اور انسان کا وجود مانتی ہیں ان کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا رہے گی۔یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی مخلوق نہیں بنائی جس کے اندر ایک اور مخلوق موجود ہو جو اس کے جسم سے نکل جاتی ہو یا اس میں داخل ہو جاتی ہو۔جبرائیل فرشتے، جنات، حیوانات، کسی کے متعلق آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ ان کی ارواح ان کے جسم میں ڈالی جاتی ہیں یا نکالی جاتی ہیں۔یہ احمقانہ نظریہ انسان نے کسی مخلوق کے لئے قبول نہیں کیا لیکن خود اپنے ہی متعلق اس بے بنیاد عقیدے کا شکار ہو گیا۔

کل من علیھا فان

اللہ نے تو اپنے سوا ہر شے کے فنا ہونے کا تصور دیا اور انسانی نفس کی موت کا بھی ذکر کیا لیکن روح تو اس کا امر تھا تو اس لئے اس کی موت کا ذکر نہیں ہوا۔اس بات سے شیطان نے فائدہ اٹھایا اور نفس کی جگہ روح کا لفظ مشہور کر دیا تا کہ ایک بے موت والی شے سے انسانی روح کا باطل نظریہ قائم کیا جا سکے۔پھر فنا کا معاملہ صرف جسم کے ساتھ مخصوص کر کے انسان کو ہمیشگی کا وہ سپنا دکھایا جو اس نے حضرت آدم کو بہکاتے ہوئے بھی دکھایا تھا اور کہا تھا ''تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ اور تمہیں ہمیشگی نہ مل جائے'' سورۃ اعراف آیت 20 یہ ہمیشگی کا دھوکہ وہ آج تک دیتا چلا آ رہا ہے۔اللہ نے بھی انسان سے ہمیشگی کا وعدہ کیا ہے لیکن ایک ایسی موت کے ساتھ جو ایک مرتبہ انسان کا مکمل خاتمہ کر دے تا کہ اللہ اور غیر اللہ کی ذات کے درمیان یہ فرق نمایاں ہو جائے کہ اللہ ہی کی ذات کو فنا نہیں باقی ہر ایک کو فنا ہے۔اس کے برعکس شیطان چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مرنے والے کو زندہ ظاہر کیا جائے تا کہ اس کے ساتھ وابستہ محبت کے جذبے سے فائدہ اٹھا کر اس کو اللہ کا شریک بنا لیا جائے۔اگر آپ قرآن میں شرک سے متعلق آیات دیکھیں اور دنیا کا مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے والا موت کے بعد نہ صرف زندہ ہے بلکہ بہت سے

اختیارات بھی اسے حاصل ہو چکے ہیں اس لئے وہ اس کو پکارتے ہیں اگر اُن کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ جس کو وہ روح سمجھتے تھے وہ نفس ہے اور نفس کی موت کے ساتھ ہی انسانی ذات مکمل طور پر ختم ہوگئی ہے تو پھر کون کس کو پکارے گا۔

جب موت کا وقت آتا ہے تو کل نفس ذائقۃ الموت سورۃ العمران آیت 185 کے مطابق انسان کو مکمل موت دی جاتی ہے اور یوں انسانی ذات کا فنا ہوجاتا ہے لیکن مشہور اسکالر غلام احمد پرویز لکھتے ہیں موت سے انسان کا جسم تو منتشر ہو جاتا ہے لیکن انسانی ذات فنا نہیں ہوتی (صفحہ 1348 تبویب القرآن) جو بات دوسرے علماء دبے الفاظ میں کہتے تھے وہ بات پرویز صاحب نے کھل کر کہہ دی یعنی انسانی ذات کے فنا کا انکار اور یاد رہے کہ اللہ کے علاوہ کسی بھی ذات کے فنا ہونے کا انکار کفر ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے "جو کوئی زمین پر ہے سب نے فنا ہونا ہے اور تیرے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے" (سورہ رحمٰن آیت 26) یہ ماننا ہی اللہ کو الحیّ و القیوم ماننا ہے۔ اس پر علماء کہتے ہیں کہ "ہم بھی اللہ ہی کو الحیّ القیوم مانتے ہیں کیونکہ انسانی جسم کو جب موت آگئی تو پھر انسانی ذات فنا ہوگئی" یہ جواب ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اصل شے تو روح ہے جو ان کے عقیدے کے مطابق دنیا میں آنے سے پہلے بھی زندہ تھی اور موت کے بعد بھی زندہ ہے۔ وہی محسوس کرتی ہے وہی ثواب یا گناہ کماتی ہے اور ان کے نزدیک وہی اصل انسان ہے لہٰذا جب تک وہ اس اصل انسان کی موت کا اعلان نہیں کرتے وہ انسانی ذات کے فنا کے عقیدے پر نہیں آسکتے۔

جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کل من علیھا فان O سورہ رحمٰن آیت 26 تو اس کا مطلب ہر شے کا فنا ہے پھر اگر یہ مانا جائے کہ موت کے بعد اصل انسانی ذات (روح) باقی رہ گئی تو اس سے بڑھ کر ذات کا شرک اور کیا ہوسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر لوگوں کی عقل پر کیا ماتم کیا جاسکتا ہے کہ خود وہ مرنے والے کو مردہ کہیں اور اس کو روح کی شکل میں زندہ مانیں اور بعض تو جسم کے بھی دوبارہ زندہ ہوجانے پر یقین رکھتے ہیں لہٰذا موت ان کے نزدیک ایک وقتی حملہ تھا جس میں اصل انسانی ذات کا کچھ نہ بگڑا۔ اس عقیدے کی مثال ایسی ہے کہ اگر ایک شخص اپنی کار میں سوار تھا اور کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا لیکن وہ آدمی اس میں سے صاف نکل گیا اور اسے کوئی خراش تک نہ آئی۔ پھر جب لوگوں نے اسے محفوظ پایا تو اس ایکسیڈینٹ کو کوئی اہمیت نہیں دی کیونکہ اصل شخص تو بچ گیا۔ یہی حال ان کے عقیدے کا ہے کہ موت آنے پر نقصان صرف جسم کا مانتے ہیں اور اصل انسان (جو اِن کے نزدیک روح ہے) اسے بچا لیتے ہیں۔

علماء انسانی روح کا باطل عقیدہ دے کر دن رات اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن جھوٹ آخر بے نقاب ہو ہی جاتا ہے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اپنی کتاب (روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ) صفحہ 20 پر فرماتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو روح پیدا ہو چکی ہے اس پر موت نہیں آئے گی پھر کل من علیھا فان O کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی ہی بات کی تردید میں صفحہ 64 پر لکھتے ہیں روح اللہ کی مخلوق ہے حادث ہے قدیم نہیں چونکہ روح مخلوق ہے لہٰذا کسی نہ کسی وقت فنا سے دوچار بھی ہوگی اور یہ بات بھی انہوں نے متعلقہ آیت کے اثر کی وجہ سے کہہ دی ورنہ ان کے پاس کسی ایسے موقع کی دلیل نہیں جب روح کی موت ہوتی ہو۔ پہلے لکھا کہ روح کو موت نہیں پھر لکھا کہ کسی نہ کسی وقت فنا ہوگی۔ یہ تضاد بھری تحریریں تمام علماء کی کتابوں میں ملیں گی جسے انشاء اللہ بہت جلد آپ لوگوں کے

سامنے تفصیل سے رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے خاتمے کے لئے موت، وفات اور فنا جیسے الفاظ متعارف کروائے یہاں تک کہ محترم ہستیوں کے لئے بھی، مثال کے طور پر ارشاد باری ہے

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ۔۔

اور محمد کچھ نہیں مگر ایک رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے پھر اگر اُس کو موت آجائے یا وہ قتل ہو جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ سورہ العمران آیت 44

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی لفظ موت استعمال کیا اور ایک دوسری آیت إِنَّکَ مَيِّتٌ میں انہیں کہا کہ تم مردہ ہو جاؤ گے لیکن شیطان نے ان الفاظ کو بدل دیا۔ اب کہا جاتا ہے کہ فلاں نے پردہ فرما لیا، فلاں کا انتقال ہو گیا۔ وہ رحلت فرما گئے ۔ اسے اللہ نے بلا لیا وغیرہ۔ یہ جملے اس لئے بنائے گئے تا کہ موت کا مفہوم بدل دیا جائے۔ موت کی جگہ لفظ انتقال لایا گیا جس کا مطلب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا جبکہ موت کا مفہوم تو فنا ہو جانا ہے۔

صحابہ اکرام نے اس طرح کے جملے ادا نہیں کئے کیوں کہ وہ موت کا مفہوم اچھی طرح جانتے تھے جب ابو بکر صدیق ؓ نے وفات النبی کے وقت یہ دیکھا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت غم میں اللہ کے رسول کی وفات کا انکار کر رہے ہیں تو خطبے کے انداز میں فرمایا کہ جو کوئی محمد کی بندگی کرتا تھا وہ جان لے کہ ان کو موت آ گئی ہے اور جو اللہ کی بندگی کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ذات ہے۔ (بخاری) لیکن آج امت موت کے مفہوم کو بھلا بیٹھی ہے۔ لوگوں نے اللہ کے ذات کی طرح انسانی روح کو بھی موت سے استثنیٰ دے رکھا ہے۔ موت کے بعد کہا جاتا ہے کہ بندہ اللہ کے پاس پہنچ گیا جب کہ سورہ البقرہ آیت 28 میں اللہ تعالی نے بالکل واضح طور پر فرما دیا کہ جب دوسری زندگی ملے گی تب ہی آدمی اللہ کی طرف لوٹا یا جائے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو تم تھے مردہ پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا پھر ہم تمہیں مردہ کر دیں گے اور پھر زندہ کریں گے پھر تم اپنے رب کی طرف پیش کئے جاؤ گے O سورۃ البقرۃ 2 آیت 28۔

لہٰذا اس آیت کے مطابق دوسری زندگی سے پہلے اللہ کے حضور پیشی یا کسی بھی طرز کی کسی زندگی کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا اور ایسے تمام عقائد اللہ کی آیات کا کھلا انکار ہیں۔

سوال نمبر 7 اگر انسانی روح کا نظریہ باطل ہے تو پھر آیت الست میں اللہ کے ارواح سے عہد کا کیا مطلب ہے؟

جواب: (1) دوسری آیات کی طرح اس آیت میں بھی لفظ روح موجود نہیں، آیئے پہلے آیت کے عربی متن کو دیکھیے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِیۤ آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا

كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِيْنَ O أَوْ تَقُولُوْا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ O اور جب تمہارے رب نے [1] بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار لیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے یہ اقرار اس لئے کروایا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرے گا۔ سورہ اعراف آیت 173-172

ا) آپ نے دیکھا کہ اس کے عربی متن میں لفظ روح موجود نہیں اور زیادہ تر علماء نے بھی اس آیت کے ترجمے میں لفظ روح استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے ذریت کا معنی اولاد، ذریت اور نسل آدم ہی لکھا ہے لیکن صرف اپنے عقیدے کی ترویج کے لئے کہ اللہ نے انسان کی تخلیق سے پہلے انسانی روحوں سے عہد لیا تھا اس آیت میں لفظ ذریت سے انسانی روح مراد لے لیا حالانکہ قرآن میں جہاں بھی ذریت کا لفظ آیا اس سے مراد نسل انسانی یا کسی کی اولاد ہوا کرتی ہے روح نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا

اور جب اللہ نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا۔ (ابراہیم) نے کہا کہ (اے اللہ) میری اولاد میں سے بھی، (اللہ نے) فرمایا کہ ہمارا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔ سورہ البقرہ آیت 124

اس آیت کی عربی میں لفظ ذریت آیا ہے ۔ ذریت کا مطلب اولاد ہے ۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسل یا اولاد ہمارے ملک کی حفاظت کرے گی تو اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی کہ ہماری اولاد کی روحیں ہمارے ملک کی حفاظت کریں گی۔ آنے والی نسلوں سے مراد گوشت پوست کے زندہ انسان ہوتے ہیں نہ کہ روحیں۔ آیت زیر بحث کے دس کے قریب ترجموں میں لفظ ذریت کا ترجمہ روحیں نہیں بلکہ اولاد لکھا ہوا ہے پھر اولاد کو روح سمجھ لینا سوائے نادانی کے اور اسے کیا کہہ سکتے ہیں۔

۲) یہ آیت صرف ایک واقعہ کو ظاہر نہیں کرتی جو تاریخ میں گزر گیا ہو بلکہ یہ آیت اللہ کی ایک ایسی سنت کو پیش کرتی ہے جو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے متعلق ہو۔ اس طرح کی اور آیات بھی قرآن مجید میں موجود ہیں جیسا کہ سورہ العمران آیت 187 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اور جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب دی تھی کہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر بیان کروگے اور اس (کی باتوں) کو چھپاؤ گے نہیں پس انہوں نے اس (عہد) کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے قلیل مفاد سمیٹ لیا پس کیا ہی بری کمائی ہے جو یہ کرتے ہیں۔

غور کیجیے کہ یہ آیت ماضی کا کوئی واقعہ نہیں بلکہ جب بھی اللہ نے لوگوں کو کتاب دی تو ان سے عہد لیا اور آج بھی یہ عہد ہر اس آدمی پر خود بخود لاگو ہو جاتا ہے کہ جو اللہ کی کتاب کا علم حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ کی کتاب کی حقیقت کو لوگوں سے چھپائے گا نہیں بلکہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر بتائے گا لیکن لوگ اس عہد کو آج بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں یہ ماضی میں بھی ہوا، حال میں ہوتا ہے اور مستقبل میں بھی ایسا ہوتا رہے گا اگر کوئی پھر بھی بضد ہو کہ چونکہ آیت زیر بحث ماضی کے صیغے میں بیان ہوئی ہے تو یہ صرف ماضی کا ہی واقعہ ہے تو ایسا ضروری

نہیں کہ ماضی کا صیغہ صرف ماضی کا مفہوم دے۔ایسی اور بھی آیات ہیں جن میں ماضی کے الفاظ استعمال ہوئے اور مفہوم ان کا حال یا مستقبل سے متعلق ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ زیل آیت میں ذکر ہوا

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ O ترجمہ: وہی ہے جس نے بنادیا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس نے اس میں سے پھل اگائے جو تمہارا رزق ہیں پس تم اللہ کے شریک نہ بناؤ جبکہ تم جانتے ہو۔سورہ بقرۃ آیت 22

یہ آیت بظاہر ماضی کے الفاظ میں ہے لیکن اس میں اللہ کی سنت جو بیان ہوئی ہے وہ تینوں زمانوں سے تعلق رکھتی ہے تو آیت زیرِ بحث بھی اسی طرح ایک مخصوص واقعہ نہیں بلکہ ہر زمانے سے متعلق ہے۔اس کی وضاحت اس عہد سے ہوتی ہے جو آیت میں کیا گیا ہے ۔اب ذرا عہد کو دیکھیے

۳) جب بھی فریقین کے درمیان کوئی عہد ہوتا ہے تو ایک اہم تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اس عہد کو یاد رکھا جائے اگر کسی ایک فریق کو یہ قوی خدشہ ہو کہ دوسرا فریق اسے یاد نہیں رکھے گا اور بھلا دے گا تو پھر عہد کرنا بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ اگر عہد ہی یاد نہیں ہوگا تو عمل کیسا۔مذکورہ آیت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اس کی روح سے عہد لیا گیا لیکن یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ایسا عہد کسی کو یاد نہیں کہ وہ اللہ کے سامنے پیش ہوا تھا ہو پھر اس طرح سے مکالمہ ہوا ہو تو پھر خود ہی سوچیے کہ ایسے عہد کا کیا فائدہ جو یاد ہی نہ ہو جب کہ اللہ اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے کہ کل کو تم یہ نہ کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔یعنی یہ ایسا عہد ہونا چاہیے جو انسان کو یاد رہے بلکہ اس کو خبردار کرتا رہے کہ اللہ ہی اس کا رب ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ معاملہ چونکہ اللہ پر بن دیکھے ایمان لانے کا بھی ہے لہٰذا اللہ نے یہ عہد لوگوں کو بھلوا دیا۔عجیب منطق ہے کہ پہلے عہد لیا تاکہ اسے اس کی خبر رہے پھر جس دور میں اسے یہ عہد یاد رکھنے کی ضرورت تھی تاکہ وہ شرک نہ کرے اور اللہ ہی کو اپنا رب سمجھے تو اسی دور میں وہ عہد بھلوا دیا گیا۔گویا یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ کوئی کھیل کھیلا ہے۔علماء کو اللہ کی بعض آیات جب سمجھ نہیں آتیں تو وہ صرف اپنی علمیت جھاڑنے کے لئے اللہ کے متعلق عجیب وغریب عقائد بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔

اب ہم آپ کو اس عہد کی جو حقیقت بتائیں گے وہ ایسا عہد ہوگا جو انسان کو یاد بھی ہوگا اور اللہ پر بن دیکھے ایمان بھی قائم رہے گا۔اگر آپ آیت میں دیکھیں تو علماء نے ایک بہت اہم نکتے کو نظر انداز کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِم، علماء نے آیت کے اس ٹکڑے سے جو اخذ کیا ہے اس کے مطابق انسان اللہ کے ایک عمل پر گواہ بن رہا ہے اور گواہ بھی ایسا کہ اسے آج یاد ہی نہیں کہ یہ واقعہ کب اس کے سامنے ظہور پزیر ہوا تھا جبکہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا انہی کے نفسوں پر یعنی وہ وہ ماضی میں کسی ایسے واقعے کے گواہ نہیں ہیں جہاں ان کی ملاقات اللہ سے ہوئی ہو یا اللہ سے کوئی مکالمے ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنے ہی کسی ذاتی عمل کے گواہ بن رہے

ہیں۔اس بات کو سمجھنے کے لئے دیکھیے یہ آیت۔۔۔۔ 1

وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور پانی میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے اُن پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں۔سورہ یونس 10 آیت 22

یہ عمل انسان کا ایسا عمل ہے کہ اسے ساری زندگی یاد رہے گا کہ اس نے اپنی مصیبتوں میں خالص اپنے رب کو ہی پکارا تھا۔اگر اس کے بعد بھی وہ شرک کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے باپ دادا چونکہ مشرک تھے اور میں نے ان کے ماحول میں ہوش سنبھالا تو میں اس وجہ سے مشرک بن گیا اس کا آیت میں موجود عمل اس بات کا ثبوت بن گیا کہ باپ دادا سے جو کچھ ملا تھا اللہ نے اسے ایسے حالات پیدا کر کے اس طرح منقطع کر دیا تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہ رہا اور اس نے خالص اللہ کو پکارا۔ ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے جب شعور کو پہنچتا ہے تو اللہ اُسے ایسے مراحل سے ضرور گزارتے ہیں کہ اسے معلوم ہو جائے کہ حقیقی معنوں میں میرا ایک ہی رب ہے۔یہی عہد الستُ ہے جسے انسان فراموش کر دے تو ایک الگ بات ہے لیکن بھول نہیں سکتا اور چونکہ یہ معاملہ براہ راست اللہ سے گفتگو کا نہیں ہے لہٰذا بن دیکھے اللہ پر ایمان بھی قائم رہتا ہے۔ہم اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرنے والے پہلے شخص نہیں۔ علامہ زاہد محمود قاسمی (دیوبند) نے اپنی کتاب روح کیا ہے میں اسلاف کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ آیت زیر بحث کوئی مخصوص واقعہ نہیں ہے جیسا کہ وہ علامہ ابن الانباری کا ایک قول نقل کرتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام انسان اپنی ترتیب وجودی کے مطابق پیدا ہونگے تو ان سے عہد لیا جائے گا کہ اور ان کے نفس اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق و رب ہے (روح کیا ہے صفحہ 92)

علامہ جرجانی نے اس آیت کو مستقبل سے منسلک کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگوں کی تخلیق کے بعد ہی اللہ یہ عمل کرتا ہے (روح کیا ہے صفحہ 93) علامہ زاہد محمود قاسمی صفحہ 94 پر فرماتے ہیں ''یعنی ہر انسان جب عاقل و بالغ ہوتا ہے نفع نقصان، جزا سزا اور وعدو عید کو سمجھنے لگتا ہے اور اس کی عقل و فہم اللہ تعالیٰ کی خالقیت و قدرت پر اس کی راہنمائی کرتی ہیں تو یہی گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد لینا ہے'' پھر مزید فرماتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی، علامہ واحدی اور ماوردی نے بھی آیت کا یہ مفہوم لیا ہے۔مودودی صاحب نے بھی اپنی تفہیم میں اس آیت کو ماضی کا ایک مخصوص واقعہ قرار نہیں دیا ہے لیکن انہوں نے اس عہد کو شعوری عہد کے بجائے لاشعوری عہد قرار دیا اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ اگر شعوری عہد ہوتا تو پھر بن دیکھے رحمٰن پر ایمان لانا بے معنی ہو جاتا۔حالانکہ ہم نے جو آیت کا مفہوم بتایا ہے اس میں عہد شعوری بھی رہتا ہے اور بن دیکھے رحمٰن پر ایمان بھی قائم رہتا ہے۔

4) بعض لوگ یہ سوال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں جو کلام کیا تھا وہ کہاں گیا تو جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی طرح کلام کرکے جس طرح انسان ایک دوسرے سے کلام کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب کلام اللہ ہے لیکن یہ اس طرح تو بات نہیں کرتی جس طرح انسان انسان سے بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے تین طریقوں سے کلام کرتا ہے جیسا کہ سورہ شوریٰ 42 آیت 51 میں بیان ہوا ہے۔ ان میں ایک تو وحی کا طریقہ ہے، جو صرف انبیاء ہی جانتے ہیں، دوسرا طریقہ کسی رسول کو بھیج کر پیغام دینا ہے جیسے مریم علیہ السلام کے پاس فرشتہ آیا یا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ نے ہم سے کلام کیا اور تیسرا طریقہ پردے کے پیچھے سے کلام کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پردے کے پیچھے سے کلام کرنا بالفاظ نہیں ہوتا جیسے جاگتے میں الہام اور نیند میں خواب، یا یہ کہ اللہ کسی واقعے یا ماحول کے ذریعے اپنا پیغام بندوں تک پہنچادے جیسا کہ قران میں لکھا ہے

''وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو تمہارے پاس خوشخبری بنا کر یہاں تک کہ وہ بوجھل بادل (بخارات) کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس میں سے بارش برساتے ہیں پھر اس کے ذریعے ہر طرح کا پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کریں گے (یہ اس لئے) کہ تم نصیحت حاصل کرو'' سورہ اعراف 57

یہاں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش سے قبل بھیجی جانے والی ہوا کے لئے لفظ بشارت استعمال کیا اور اس پورے عمل کو لوگوں کے لئے ایک نصیحت بتایا لیکن یہ بشارت الفاظ کے ساتھ نہیں بھیجی اسی طرح کی ایک اور مثال سورہ مائدہ آیت 31 ہے، جب اللہ نے ایک شخص کے پاس ایک کوا بھیجا اور کوے کے ایک عمل کے ذریعے اسے یہ پیغام دیا کہ کس طرح وہ اپنے بھائی کی لاش کو سپرد خاک کرے۔ وہاں بھی اللہ نے اس شخص کو جس نے جرم کیا تھا بغیر لفظی کلام کے پیغام دیا۔ اس طرح کے اور کلام بھی کتابُ اللہ میں بیان ہوئے لیکن یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ ایسے تمام کلام حجاب کے پیچھے سے کلام کرنے میں شامل ہیں اور اس میں کلام بات چیت کے انداز سے نہیں ہوتا لہٰذا آیت زیر بحث کو براہ راست مکالمہ قرار دینا قرآن فہمی سے ناآشنائی کا ثبوت ہے۔

۵) اب ذرا آیت الست کے سلسلے میں پیش کی جانے والی روایات کا بھی جائزہ لے لیں۔ کتاب روح کیا ہے کے مصنف مولانا زاہد محمود قاسمی اپنی کتاب میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نے آدم کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا، پھر اس سے اس کی اولاد نکالی پھر ان سے عہد لیا پھر دوبارہ ان کو ان کی پیٹھ میں لوٹا دیا (ابوداؤد کتاب السنہ باب قدر حدیث نمبر 4703)

حدیث تو وہ ہے جو قرآن کی آیت کو واضح کردے لیکن یہ کس طرح کی حدیث ہے کہ قران کی آیت کو الٹا مبہم کررہی ہے کیونکہ اس روایت پر بہت سے سوال اُٹھ گئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے آیت زیر بحث میں ابن آدم کا ذکر کیا اور ان ہی کی پشتوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت براہ راست آدم علیہ السلام کی پشت کا ذکر کررہی ہے۔ ابن آدم کی جگہ آدم کا لفظ اسی لئے لایا گیا تا کہ اس کو ایک واقعے کی شکل دی جاسکے کیونکہ ابن آدم تو کھربوں کی تعداد میں ہیں اور اللہ نے تو ان کھربوں افراد کی پشتوں کا ذکر کیا جس سے مراد یہی لی جائے گی کہ اللہ کی یہ سنت ہر دور میں چلی ہے اور قیامت تک چلتی رہے گی لیکن اس کو بنی آدم کے بجائے صرف آدمؑ کی پشت سے منسلک کردینا اللہ کی جاری

سنت کوصرف ایک واقعہ بنا دینے کے مترادف ہے۔اس روایت میں اللہ تعالیٰ کوایک ایسی ہستی کےطور پرپیش کیا گیا ہےجس طرح ہندووں میں بھگوان کے ہاتھ پاؤں ہوا کرتے ہیں۔قرآن میں اللہ کا ہاتھ ہمیشہ مجازی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی ہاتھ ہو جیسے کسی مخلوق کا ہوتا ہے لیکن اس روایت سے ایسے ہی کسی ہاتھ کا تصورا بھرتا ہے جو آدمؑ کی پشت پر پھیرا گیا۔علماء کا عقیدہ تو یہ ہے کہ آدمی کے جسم میں ایک روح ہوتی ہے اور وہ بھی اُسی انسان کی لیکن اس روایت کے مطابق ایک روح کے بجائے لوگوں کی کھربوں روحیں پہلے تو ان کے ایک جسم میں ڈال دی گئیں پھر آدم کی وفات کے بعد وہ روحیں کہاں چلی گئیں یہ بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔

روایات پراندھایقین کا یہ عالم ہے کہ وہ علماء جنہوں نے آیت کا صحیح مفہوم بھی لیا وہ بھی ان روایات کوجھٹلا نہ سکے اورنتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ان روایات کی ایسی تطبیق کرنی پڑی جس پر سوائے سر پٹکنے کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔مولانا زاہد محمود قاسمی کو یہ نظر آ گیا کہ آیت کہیں اور جارہی ہے اور روایت کہیں اور لہٰذا انہوں نے ایک سوال بنا کر پہلے تو اس کے تضاد کو ظاہر کیا پھر اس کی تطبیق کی۔ان کا بنایا ہوا سوال یہ ہے **''اگر آیت کا یہی مطلب ہے کہ عقل وسمجھ کے تقاضے تو پھر آدمؑ کی پیٹھ میں لوٹانے کا کیا مطلب ہوگا''** پھر علامہ حسن کا ایک قول جواب میں لکھتے ہیں کہ **پیٹھ میں واپس لوٹنے کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ مریں گے تو زمین میں دفن کئے جائیں گے** پھر لکھتے ہیں کہ **سوال میں مذکورہ حدیث پاک کے موافق کرنے کے لئے یہی تاویل کرنی پڑے گی۔** (روح کیا ہے صفحہ نمبر) غور کریں کہ کہاں آدم کی پیٹھ اور کہاں زمین میں دفن ہونا انہوں نے دونوں کوایک کر دیا۔وہ بھی کیا کرتے روایت آیت کے مطابق فٹ جو نہیں ہو رہی لہٰذا ایسی روایت کوحدیث پاک قرار دینے کے لئے لفظوں کے نت نئے مفہوم تو بنانے پڑے۔غور کریں تو وہ روایت ہی کیا جو آیت کو سمجھانے کے بجائے الٹا اس روایت کو سمجھانے کے لئے علماء کو اپنی تاویل کرنی پڑے۔

۶) عہد الست سے متعلق روایات کا آپس میں بھی زبردست اختلاف موجود ہےایک اور روایت ہےجس میں آدم کی پشت کے بجائے کاندھوں کا ذکر ہے پھر نیک ارواح دائیں اور دوسری بائیں کاندھے سے باہر آئیں۔پچھلی روایت میں پشت کا ذکر تھا اور اس میں کاندھوں کا ذکر ہے پچھلی روایت کے مطابق وہ ایک ہی جگہ سے نکلی تھیں لہٰذا انہیں الگ الگ کرنا پڑا جیسا کہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں۔ **آدمؑ کی پشت سے تمام روحوں کو نکالا اور ان میں سے خوش بخت اور بد بخت کو الگ کیا بعض روحیں روشن تھیں بعض تاریک تھیں''** (روح کیا ہے صفحہ 45) جبکہ دوسری روایات میں نیک اور بد کوالگ الگ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور وہ الگ الگ مقام سے نکلیں۔

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں بلاوجہ کسی روایت کے انکار کرنے کا شوق نہیں لیکن ایسی روایات جو نہ تو قرآن کے مطابق ہوں اور نہ آپس میں مطابقت رکھتی ہوں تو پھر ان میں ایمان کس طرح سے لایا جائے؟ اگر ایک کو مانیں تو دوسری کے منکر اور دوسری کو مانیں تو پہلی کے منکر۔یہود و نصاریٰ نے ایسا کھیل کھیلا ہے کہ جب تک ہم ان روایات پر بنا غور وفکر کئے جمے رہیں گے ایسے ہی ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر اپنی طاقت کو کم کرتے رہیں گے۔

ہمارے ایک دوست نے اس مضمون پر بہت سے سوال کیے لیکن اُن سب کی بنیاد وہ عقیدہ تھا جس کے مطابق انسان کی روح[1] انسان کے جسم سے الگ کوئی مخلوق ہے۔ جب تک یہ باطل تصور قائم رہے گا کہ کوئی مخلوق بغیر جسم کے بھی اپنا الگ سے وجود رکھتی ہے تو اسی طرح قرآن کی بہت سی آیات کی باطل تاویلات کی جاتی رہیں گی۔ یاد رہے کہ **بنیادی بات یہی ہے** کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اپنے جسم کے علاوہ بھی وجود رکھتی ہو اور نہ ہی کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہوا۔ فرشتے، جنات اور زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات سب اپنے اپنے جسموں میں موجود ہیں اور اسی سے ان کا وجود ہے۔ جسم نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس پر یہ بات نہایت موزوں ہے کہ **موج دریا میں ہے اور بیرون دریا کچھ نہیں۔**

ہم نے مضمون کے حساب سے اپنی بات مکمل کر دی کہ ہم نفس ہیں روح نہیں لیکن پھر بھی لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم نفس ہیں تو روح کیا چیز ہے۔ گو کہ یہ سوال مضمون سے تعلق نہیں رکھتا لیکن ہم نے جو روح کے متعلق سمجھا ہے وہ بھی انشاء اللہ جلد ہی دسویں سوال کے جواب میں آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ شہداء اور آل فرعون کا معاملہ چونکہ استثنائی معاملہ ہے لہذہ ہم نے اسے مضمون کے آخری حصے میں جگہ دی ہے اور سوال نمبر 8 اور 9 میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

سوال نمبر 8 اگر انسانی روح نہیں ہے تو پھر شہداء کس طرح زندہ ہیں؟

جواب: شہداء کا قیامت سے پہلے زندہ ہونا عین قرآنی نظریہ ہے جیسا کہ آیت میں لکھا ہے کہ ترجمہ: **اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔** سورۃ العمران آیت 169

1) ہم نے روح اور نفس کے متعلق جو کچھ لکھا اس پر ناقدین نے زیادہ تر شہداء کے معاملے کو اٹھایا حالانکہ شہداء کا معاملہ استثنائی معاملہ ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے عام مرجانے والے کو مردہ ٹھہرانے پر بہت زور دیا لیکن شہداء کے متعلق فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان کا معاملہ اللہ کے عام قوانین سے ہٹ کر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اگر زندہ ہیں تو کس طرح زندہ ہیں۔ جیسا کہ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے یا کوئی کہتا ہے کہ فلاں تاریخ میں زندہ ہے۔ شہداء کے متعلق اس طرح کی زندگی کے تصور کو مسترد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بھرپور جملہ ڈال دیا اور وہ یہ ہے کہ **اور وہ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں** یوں اللہ نے وضاحت سے فرما دیا کہ وہ جسمانی طور پر زندہ ہیں۔

شہید طبعی موت سے پہلے ہی اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس شے کو اپنے اوپر قرض نہیں رکھتے اور فوراً ہی اسے دوسری زندگی عطا کر دی جاتی ہے جہاں وہ اپنے بدن کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ بدن کی بات اس لئے ضروری ہے کہ زندگی بغیر بدن کے کوئی زندگی نہیں۔ یہ جو عقیدہ ہے کہ انسان بغیر جسم کے بھی اپنا وجود رکھتا ہے اس سے زیادہ فضول اور احمقانہ تصور کوئی ہو نہیں

سکتا کیوں کہ اللہ نے کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہی نہیں کیا جو اپنے جسم کے علاوہ بھی اپنا وجود رکھتی ہو۔انسان کے متعلق بھی اللہ نے دو ہی زندگیوں کا ذکر کیا اور سب کو معلوم ہے کہ وہ دوزندگیاں بغیر جسم کے نہیں لہٰذا شہداء کی زندگی بھی ان کے جسموں کے ساتھ ہی ہے پھر اس جسم کی طلب چونکہ رزق ہے تو اللہ نے رزق کا ذکر کر کے غور و فکر کرنے والوں کے لئے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ وہ نہ کسی روحانی طور پر اور نہ تاریخی طور پر بلکہ اسی طرح زندہ ہیں جس طرح روز قیامت لوگوں کو زندہ کیا جائے گا۔جو لوگ روایات کو آگے لاتے ہیں وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ جسم کے بغیر زندگی نہیں ہے لہٰذا ایسی من گھڑت روایات سامنے لائی جاتی ہیں کہ احسن تقویم پر بنا ہوئے ایک خوبصورت وجود کو پرندے کا جسم بالآخر دینا پڑ جاتا ہے۔حالانکہ یہ انسان کے ساتھ زیادتی ہے لیکن بحرحال جسم کی اہمیت کا وہ بھی انکار نہ کر سکے۔

اب اس پر سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ ان کے جسم تو یہاں قبروں میں موجود ہیں تو بھلا وہ اپنے جسموں کے ساتھ کس طرح زندہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث نے یہ بات کب کہی ہے کہ دوسری زندگی کے وقت ان کو یہی جسم دیے جائیں گے جو اس دنیا میں تھے۔یہ ان کو شدید قسم کا مغالطہ ہوا ہے۔قرآن کی آیات اور کتب روایات کے مطابق دوسری زندگی کے وقت لوگوں کے جسم بھی دوسرے ہوں گے اور ان کی خاصیتیں بھی مختلف ہونگی۔لہٰذہ وہ اپنے دنیاوی جسموں کے ساتھ نہیں بلکہ نئے جسموں کے ساتھ زندہ کر دئے گئے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ یہ معاملہ ان کی عظیم قربانی کے سبب قیامت سے پہلے کر دیا گیا ہے

2) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شہداء کی یہ زندگی ان دوزندگیوں کے علاوہ ہے جن کا قرآن میں ذکر ہے اور شہید بھی اسی طرح زندہ ہوگا جس طرح لوگ قیامت کے روز زندہ ہوں گے۔تو پہلی بات تو یہ ہے کہ شہید اگر ابھی زندہ ہے اور روز قیامت بھی زندہ ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیچ میں پھر اسے ایک موت بھی ملنی چاہیے تا کہ وہ قیامت کے روز زندہ ہو سکے۔اس کا کوئی جواب علماء کے پاس نہیں ہے کیونکہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے قران کی کوئی آیت ان کے پاس نہیں اور نہ کوئی صحیح حدیث بلکہ من گھڑت روایت بھی موجود نہیں ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ تیسری زندگی کا نظریہ جو خلاف قرآن ہے (سوائے معجزات کے) وہ ان علماء نے سب کے لئے ہی رکھا ہوا ہے اس میں شہید اور غیر شہید کی کوئی تمیز نہیں۔ایسی بہت سی روایات مل جائیں گی جہاں شہداء کے علاوہ عام مومنین بھی قیامت سے پہلے ہی جنت میں پائے گئے ہیں لہٰذا شہید کے لئے تیسری زندگی کی بات کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔یاد رہے کہ تیسری زندگی کا نظریہ قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء خود اقرار کرتے ہیں۔

مولانا زاہد محمود قاسمی فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اگر کہیں دنیا اور آخرت کی زندگی کا ذکر ہوا اور عالم قبر و برزخ کی تیسری زندگی کا ذکر نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قبر کی زندگی ہے ہی نہیں کیوں کہ قرآن مجید کی آیات کثیرہ اور احادیث متواتر سے قبر کی زندگی ثابت ہے (کتاب روح کیا ہے صفحہ 293)

دیکھئے انہوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ عالم برزخ اور عالم قبر کی تیسری زندگی کا کوئی ذکر قران وحدیث میں نہیں جو ایک حقیقت

ہے پھران کا یہ کہنا کہ قبر کی زندگی قرآن وحدیث سے ثابت ہوسکتی ہے تو وہ اپنی پچھلی بات کی خود ہی تردید کر رہے ہیں۔ جب[1] تیسری زندگی کا ذکر ہی نہیں ہوا تو ثابت کیا کریں گے اور خود ان کے نزدیک وہ تیسری زندگی کیا ہے یہ سن کر بھی آپ حیران ہو جائیں گے وہ فرماتے ہیں کہ قبر میں روح لوٹنے سے قطعاً کسی تیسری حیات کا ذکر نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو صرف سوال جواب کے وقت صرف سوال جواب کے لئے لوٹائی جاتی ہے دنیا و آخرت کی طرح مستقل زندگی نہیں ہے (کتاب روح کیا ہے صفحہ 158) دیکھیے مصنف نے پوری کتاب اسی بات پر لکھ ڈالی کہ تیسری زندگی کا قرآن وحدیث میں ذکر تو نہیں لیکن وہ ہے ضرور لیکن خود ہی اس کی تردید کر دی کہ روح لوٹنے سے ہرگز تیسری زندگی کا ذکر یا جواز نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ تیسری زندگی صرف سوال وجواب کے لئے ہی تھوڑی دیر کے لئے دی جاتی ہے اور آخر میں دنیا کی زندگی کو بھی بغیر سوچے سمجھے مستقل زندگی کہہ گئے، حالانکہ دنیا کی زندگی مسقل زندگی نہیں۔

3) علماء ایک طرف کہتے ہیں کہ شہداء کی روحیں پرندوں کے جسموں میں موجود ہیں (گو کہ ان روایات میں بھی زبردست اختلاف موجود ہے) دوسری طرف کہتے ہیں کہ شہداء کی روحیں جنت میں موجود ہیں۔ اب اگر روح جسم میں موجود ہے (پرندہ ہی سہی) تو پھر شہید کا ذکر لفظ روح کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے جیسے کوئی شخص لاہور گیا تو پھر یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ فلاں آدمی کی روح لاہور گئی ہوئی ہے لہٰذا ایک طرف شہداء کو جسم کے ساتھ ماننا اور پھر انہیں روحیں قرار دینا ناقابل فہم ہے۔

4) جب لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان کی موت مکمل خاتمہ کر دیتی ہے تو فوراً یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر شہید بھی تو زندہ ہے اور اس طرح سوال کرتے ہیں جیسے کہ جو شہید نہیں ہے اسے یہ مردہ مانتے ہیں حالانکہ دیکھا جائے تو یہ کسی کو مردہ نہیں مانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی دن کو دن کہے اور رات کو بھی دن کہے تو کیا اس نے دونوں میں فرق رکھا تو پھر ایسے شخص کا دن کو دن ماننا بھی بے کار سمجھا جائے گا۔ اسی طرح جب غیر شہید اور شہید دونوں کو زندہ مانا جائے تو پھر ایسا ماننا کس کام کا۔ اگر آپ شہید کو واقعی زندہ مانتے ہیں تو پھر جو غیر شہید ہے اس کو مردہ ماننا ہوگا تب ہی تو معلوم ہوگا کہ واقعی اس آیت پر ایمان ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ سمجھو تو اس حساب سے جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل نہ ہوں انہیں تو پھر لازمی مردہ سمجھا جانا چاہیے لیکن لوگ تو اس کے لئے بھی تیار نہیں۔

اصل میں شیطان نے موت کو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ شے ظاہر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان خود کو یا کسی عزیز کو مردہ کہنا یا اسے مردہ سمجھنا پسند نہیں کرتا ہمارے ہاں لفظ مردہ بہت برا سمجھا جاتا ہے حالانکہ مردہ ہونا کوئی جرم نہیں اسی لئے جو الفاظ ہمیں قرآن وحدیث سے ملے تھے جیسے فلاں شخص کی موت ہوگئی یا وفات ہوگئی تو اب اس کی جگہ لفظ انتقال لایا گیا ہے تا کہ موت بمعنی خاتمہ کے بجائے انتقال بمعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا کر لیا جائے اور موت کے بعد اور قیامت سے پہلے برزخی زندگی کے نام پر زندگی سب کے لئے قرار دے دی جائے۔ اور روایات میں بھی آپ کو ایسی روایات مل جائیں گی کہ جہاں شہید اور غیر شہید کا فرق ختم ہوتا ہوا نظر آئے گا یعنی جو شہید ہے وہ بھی جنت میں اور جو شہید نہیں ہے وہ بھی قیامت سے پہلے جنت میں جاتا ہوا نظر آئے گا۔ لہٰذا ہماری کتاب دوموت دوزندگی پر شہداء کے متعلق روایات کو پیش کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے خود کتب روایات کا مطالعہ بھی ٹھیک طرح سے نہیں کیا ہوا ہے۔ ہم انشاء اللہ جلد ایک تحریر

پیش کریں گے جس میں روایات کے تضاد کو آپ کے سامنے پیش کریں گے کہ آپ خود مان لیں گے کہ دوموت دوزندگی کے معاملے پر ایک روایت کو ماننے سے دوسری کا انکار ہوجاتا ہے۔

سوال نمبر 9 اگر موت سے انسان مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے تو پھر آل فرعون کس طرح عذاب میں ہیں؟

جواب: یہ قرآن فہمی کا ایک لازم اصول ہے کہ جس بات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ متعدد آیات کے ذریعے فرمادیں تو پھر اس مفہوم کو خود قرآن کی کسی آیت سے بھی بدلا نہیں جاسکتا۔ چونکہ قرآن نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ مردہ، مردہ ہے کوئی شے محسوس نہیں کرسکتا لہٰذہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ کسی کو موت آجائے اور پھر بھی وہ عذاب سہتا رہے۔ اس کے باوجود لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مردے کو بھی عذاب ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ آل فرعون اور آل نوح کی مثال دیتے ہیں۔ آیئے آل فرعون سے متعلق آیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

پس اللہ نے (موسیٰ کو) ان کی چالوں کے شر سے بچالیا اور آل فرعون کو عذاب نے گھیر لیا O آگ ہے جس پر صبح وشام انہیں پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت کی گھڑی قائم ہوگی کہا جائے گا آل فرعون کو شدید عذاب میں داخل کرو O سورۃ المومن 40 آیت 45-46

علماء کے مطابق فرعونیوں کو موت کے بعد آگ میں داخل کیا گیا لہٰذا مردے پر عذاب ثابت ہوگیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ انہیں آگ میں داخل کیا گیا بلکہ مولانا محمود الحسن، فتح محمد جالندھری اور کئی علماء نے ترجمے میں یہی لکھا ہے کہ انہیں آگ کے سامنے لایا جاتا ہے انہیں آگ دکھائی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قیامت کے دن ہی انہیں آگ کے اس شدید عذاب میں داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا کیوں کہ ابھی تو انہیں صرف آگ دکھائی جارہی ہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ مردے کی تو تمام صلاحیتیں چھین لی جاتی ہیں تو بھلا وہ کس طرح آگ دیکھ سکتا ہے اس کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل آیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جب فرعون پانی میں ڈوب رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ O

پس آج کے دن ہم تجھے تیرے بدن میں بچا کر رکھیں گے تاکہ تجھے ان لوگوں کے لئے جو تیرے بعد آئیں ایک نشانی بنادیں اور لوگوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں میں سے غافل ہیں۔ سورۃ یونس 92۔ آج جو ہم آپ کو بات بتانے جارہے ہیں وہ آپ لوگوں کے لئے نئی تو ہوسکتی ہے لیکن یہ بات اس آیت کے صحیح ترجمے سے ثابت ہوتی ہے۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے فرعون کے بدن کو محفوظ کرنے کا وعدہ کیا حالانکہ عربی جاننے والے جان سکتے ہیں کہ آیت میں اللہ نے صرف فرعون کے بدن کی بات نہیں کی بلکہ خود فرعون کو بچانے کی بات بھی کی ہے۔

عربی گرامر: آپ عربی میں دیکھ سکتے ہیں کہ آیت میں لفظ ننجیک میں تین لفظ آئے ہیں نُ (ہم) نجی (بچالیں گے) ک (تجھے) تو صحیح ترجمہ ہوا ہم تجھے بچالیں گے لیکن علماء نے اس کے ترجمے میں خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضمیر مخاطب ک کو نظر انداز کیا اور ڈائرکٹ اس سے آگے بدن کے لفظ پر پہنچ گئے ہیں یعنی اللہ تو یہ فرمارہے ہیں کہ اے فرعون ہم تجھے بچالیں گے لیکن ترجمہ کرنے والوں کے بقول اللہ نے فرعون سے کہا کہ ہم تیرے بدن کو بچالیں گے۔

اس آیت میں عربی کے ایک اور قائدے کو بھی نظر انداز کیا گیا اور وہ یہ کہ لفظ انجاء جس کے معنی نجات اور بچانے کے ہیں (قرآن میں 71 مرتبہ آیا ہے)۔ جب بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے کسی کو بچانے کی بات کی جائے گی تو اس کے ساتھ حرف جر[1] ب ہرگز ہرگز نہیں لگے گا، اس بات کو درج ذیل آیات میں دیکھئے مثال کے طور پر ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ آمَنُوا ترجمہ: پھر ہم نے اپنے رسولوں کو بچالیا اور ان کو بھی جو ایمان لائے تھے سورہ یونس آیت 103 دیکھ لیں کہ یہاں رسولوں کو بچانے کی بات کی گئی ہے اور لفظ رسلنا کے ساتھ ب نہیں لگا ہوا۔ اسی طرح یہ آیت بھی دیکھیے فَأَنجَيْنَاهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهُ ترجمہ پس ہم نے بچالیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سورہ اعراف آیت 72 عربی کا یہ قائدہ بھی ہے کہ انجاء کے بعد اگر کوئی اسم ب کے ساتھ آئے تو اس کو بچانے کی بات نہیں کی جاتی جیسا کہ نَجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ اور ہم نے انہیں بچالیا صبح کے وقت میں سورہ قمر 54 آیت 34 غور کریں کہ جس کے ساتھ ب نہیں لگا ہوا اس کو بچانے کی بات کی جارہی ہے اور سحر کے ساتھ ب لگا ہوا ہے تو سحر کو بچانے کی بات نہیں کی گئی ہے انہی اصولوں پر فالیوم ننجیک ببدنک میں پہلی ضمیر ک کے ساتھ ب نہیں لگا ہوا جس کا مطلب ہوا کہ مخاطب کو بچانے کی بات کی جارہی ہے۔ اور چونکہ یہاں بدن کے ساتھ ب لگا ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں بدن کو بچانے کا براہ راست ذکر نہیں۔ یہ عجیب منطق ہے کہ اللہ نے جس کو بچانے کا وعدہ کیا یعنی فرعون کو تو اسے ان ترجمہ کرنے والوں نے مار دیا اور اس کے بدن کو لاش بنا کر اسے محفوظ مانا جارہا ہے۔ اگر اصل مدعا اس کا بدن بچانا ہوتا تو اس کا بدن اس طرح محفوظ ہوتا کہ اس کا ایک بال بھی ضایع نہ ہوتا لیکن دنیا دیکھ سکتی ہے کہ فرعون کا بدن بری طرح سڑا ہوا ہے اور جگہ جگہ سے خراب ہو چکا ہے۔

یہاں تک کی تحقیق کے بعد کچھ سوال پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب پیش کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ا کیا اور بھی کسی نے اس طرح کا ترجمہ کیا ہے جس میں بدن کے بجائے فرعون کو بچانے کا ذکر ہو؟

جواب: جی ہاں اس آیت کے مندرجہ ذیل تین ترجمے اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔

عبداللہ یوسف علی "This day shall We save thee in the body

محمد مارماڈیوک پکتھل this day We save thee in thy body

اس کے علاوہ بیروت سے چھپا ہوا ایک قران جس کا ترجمہ وہاں کی سپریم شیعہ اینڈ سنی کونسل نے منظور کیا ہے اُس میں آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا

we shall save you in your body this day

اس کے علاوہ ابو منصور نے اپنے اردو ترجمے میں بھی لکھا ہے کہ آج ہم تجھ کو تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے ان تمام تراجم میں فرعون کو اس کے بدن میں بچانے کی بات کی گئی ہے۔

سوال نمبر ۲ فرعون کو بدن میں بچانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: چونکہ نفس بغیر بدن کے باقی نہیں رہتا لہٰذا فرعون کے نفس کو بچانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کا بدن بھی باقی رکھا جائے۔ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں یہ تصور پیدا ہو چکا ہے کہ انسان کا نفس جسے وہ روح کہتے ہیں بغیر بدن کے بھی زندہ رہ سکتا ہے حالانکہ ایسا بے بنیاد عقیدہ ہم نے کسی اور مخلوق کے لئے نہیں رکھا۔ فرشتے، جنات، حیوانات اور نباتات ہم جن کو بھی زندہ مانتے ہیں انہیں ان کے بدن کے ساتھ زندہ مانتے ہیں۔

سوال نمبر ۳ پہلے کہا کہ فرعون کے بدن کو بچانے کی بات نہیں کی گئی ہے اور اب کہا کہ فرعون کے بدن کو باقی رکھا گیا ہے اس تضاد کا کیا جواب ہے؟

جواب: یہ تضاد نہیں ہے اگر آپ بچانے اور باقی رکھنے کا فرق جان لیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اس کو بچا کر رکھا تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ قرآن کا ایک حرف بھی قرآن سے غائب نہیں ہوا تو اگر اللہ نے اس کے بدن کی حفاظت کی بات کی

ہوتی تو اس کے جسم کا ایک حصہ بھی ضائع نہ ہوتا لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں کہ فرعون کا بدن انتہائی بری حالت میں ہیں اور کچھ جگہوں سے سڑا ہوا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ بدن کو بچانا اصل مقصود نہیں تھا۔ اصل مقصود نفس ہے اور نفس کو چونکہ زندہ رکھنے کے لئے بدن کی ضرورت ہے لہٰذا بدن کو باقی رکھ لیا گیا

سوال نمبر ۴ فرعون کو کیوں بچایا گیا جبکہ اس کا جرم تو خدائی دعوے کے سبب سب سے بڑا تھا؟

جواب: جی ہاں اس کا جرم نہایت سنگین تھا تو اسی لئے اللہ نے نہیں چاہا کہ فرعون کو قیامت تک سکون سے موت کی حالت میں رکھا جائے جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ موت سکون کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اسے موت سے بچالیا گیا تا کہ اسے قیامت تک زندہ رکھ کر سزا دی جائے۔

سوال نمبر ۵ فرعون کو سزا ملنے کا ذکر قران میں کہاں لکھا ہے اور کون سی سزا دی گئی؟

جواب: قرآن میں آل فرعون کی سزا کا ذکر موجود ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ فرعون جو اُن کا سربراہ تھا وہ اس عذاب سے بچ جائے۔ اسی لئے بہت سے علماء نے آل فرعون کو فرعونیوں لکھا ہے کہ اس میں فرعون اور اس کے پیروکار سب شامل ہیں۔

سوال نمبر ۶ تو کیا آل فرعون بھی زندہ ہیں جبکہ آیت میں تو صرف فرعون کو بچانے کی بات کی گئی ہے؟

جواب: فرعون اور آل فرعون کا ایک ہی معاملہ ہے اللہ نے ان کے سربراہ کے ساتھ جو مکالمہ کیا اس کی خبر دے دی اب ضروری نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ مکالمہ ہوا ہو۔ اور اگر ہوا ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ان سب کی تفصیلات ہمیں دی جائیں جیسا کہ ابلیس نے اللہ سے کہا کہ میں تیری اس مخلوق کو گمراہ کروں گا تو یہ ضروری نہیں کہ ہر شیطان نے اللہ سے ایسا ہی کہا ہو اور اگر کہا بھی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ان سب کی باتوں کا اللہ ذکر کرے چونکہ ابلیس ہو یا دوسرے شیاطین کام سب کا ایک ہی ہے لوگوں کو گمراہ کرنا لہٰذا ان کا جرم بھی ایک ہی ہے اور سزا بھی ان کی ایک ہی ہے یعنی جہنم۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے آل فرعون پر عذاب تسلیم کیا ہے انہوں نے اس میں فرعون کو شامل کیا ہے۔

سوال نمبر ۷ اللہ تعالیٰ فرعونیوں کو موت دے کر بھی تو عذاب دے سکتا تھا؟

جواب: یقیناً اللہ کے لئے کوئی شے مشکل نہیں لیکن کیا اس بات کا فائدہ اُٹھا کر اللہ کے فیصلوں کو بدل دیا جائے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ موت محسوس کرنے کی صلاحیت کو ختم کر دے تو ہم اس میں تبدیلی کے خواہشمند کیوں؟ اگر موت دے کر عذاب دینا مقصود ہوتا تو پھر قیامت کے دن مردوں کو زندہ نہ کیا جاتا اور انہیں موت ہی کی حالت میں جہنم میں داخل کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی موت کو ایسا بنایا کہ وہ محسوس کرنے کی صلاحیت کو ختم کر دیتی ہے تو اسی لئے روز قیامت موت کو ختم کر دیا جائے گا تا کہ لوگ جنت اور جہنم کو ہمیشہ کے لئے محسوس کر سکیں اور موت عذاب و راحت میں وقفہ پیدا نہ کر سکے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ فرعونیوں کو قیامت تک کے لئے بھی سکون نہ دیا جائے تو اسی لئے انہیں موت سے بچالیا گیا۔

سوال نمبر ۸: مگر آیت میں تو نہیں لکھا کہ فرعون کو موت سے بچالیا گیا؟

جواب: بہت سی آیات ایسی ہوتی ہیں جہاں بظاہر الفاظ کی کمی معلوم ہو رہی ہوتی ہے لیکن آیت کے سیاق وسباق یا مضمون سے متعلق کسی اور آیت میں غور و فکر کرنے سے آدمی پوری بات تک پہنچ جاتا ہے۔ اب دیکھیے کہ بظاہر تو آیت میں نہیں لکھا کہ اسے کس شے بچایا گیا لیکن یہ ثبوت تو بحر حال ملا کہ اسے کسی شے سے بچانے کا پیغام دیا جا رہا ہے۔ اگر سیاق وسباق دیکھیں تو وہ اس وقت پانی میں ڈوب رہا تھا تو بچانے کا اعلان سب سے پہلے اسی بات کی طرف جاتا ہے کہ موت ہی وہ شے تھی جو اسے ڈوبنے کی صورت میں مل جاتی۔ اگر ایک ڈوبتے ہوئے شخص کو کوئی پکار کر کہے کہ میں تجھے بچاتا ہوں تو اس کا مطلب ظاہر ہے یہی ہوگا کہ وہ اسے موت سے بچانے کا عندیہ دے رہا ہے۔ لہٰذا قرینہ یہی اعلان کر رہا ہے کہ فرعون کو موت سے بچایا گیا۔

سوال نمبر ۹ فرعون اگر زندہ ہے تو اس میں زندگی کے آثار کیوں نہیں پائے جاتے؟

جواب پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ فرعون اور آل فرعون کا معاملہ استثنائی ہے یعنی عام قانون سے ہٹ کر ہے البتہ اس کی ایک

نشانی آپ اس دور میں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ بعض اوقات ایک شخص کو مردہ سمجھ کر دفنا دیا جاتا ہے نہ اس کی سانس چلتی ہے اور نہ نبض لیکن وہ شخص اپنی حالت سے جب باہر آتا ہے تو قبر سے نکل کر لوگوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اُس شخص کی موت واقع نہیں ہوئی ہوتی کیوں کہ اللہ کا یہ اصول ہے کہ جب موت کا فیصلہ ہوجاتا ہے تو واپس نہیں لیا جاتا اسی طرح ساحلِ سمندر پر بعض اوقات ایک شخص بظاہر مردہ پڑا ہوتا ہے نہ اس کی سانس چل رہی ہوتی ہے اور نہ دل کی دھڑکن لیکن اگر وہ زندہ ہوتا ہے تو عمل تنفس کے زریعے اس کو صحیح حالت پر لایا جاتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرعونیوں پر یہ حالت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ طویل ہوگئی ہے تو یہ کوئی مسئلہ کی بات نہیں آخر نوح علیہ سلام نے بھی تو ساڑے نوسو سال سے زیادہ کی زندگی پائی۔

سوال نمبر ۱۰ نوح علیہ السلام نے کھانا کھاتے ہوئے ایک طویل عمر پائی ہوگی جبکہ آل فرعون بغیر کھائے پیئے کیسے زندہ رہ سکتے ہیں ؟

جواب: جب اصحب کہف ایک طویل عرصے تک کھائے پئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں تو آل فرعون کیوں نہیں۔

سوال نمبر ۱۱ بدن کو نشانی بنانا تو سمجھ میں آتا ہے خود فرعون کو زندہ ماننا بعد والوں کے لئے کیا نشانی ہوسکتی ہے؟

جواب: فرعونیوں کے بدن کا باقی رہنا بعد والوں کے لئے کیا نشانی ہوسکتا ہے جب کہ ان کے بدن ایک فارمولے کے تحت محفوظ کئے جاتے ہیں اور وہ اس طرح محفوظ بھی نہیں ہیں کہ جس طرح ہونے چاہیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی غیر مسلم ان کے بدن کو دیکھ کر ایمان نہیں لا رہا ہے اور ویسے بھی نشانیاں تو ایمان والوں کے لئے ہی ہوتی ہیں جس طرح ہم قرآن کو پڑھ کر اصحاب کہف کے تین سو نو سال سوئے رہنے پر یقین کر سکتے ہیں اسی طرح ہم فرعون سے متعلق آیات پڑھ کر یہ یقین کر سکتے ہیں کہ اللہ نے آلِ فرعون کو ایک طویل عذاب دینے کے لئے موت سے بچا کر رکھا ہوا ہے۔

سوال نمبر ۱۲ کیا کوئی اور آیت بھی ہے جو اس بات کی دلیل ہو کہ فرعونی اب تک زندہ ہیں؟

جواب: جی بالکل ایک آیت نہیں بہت سی آیات ہیں اور وہ اس طرح کہ کثیر آیات یہ فیصلہ دے چکی ہیں کہ عذاب دو ہی زندگیوں پر محیط ہے اور موت عذاب کو اور محسوس کرنے کی صلاحیت کو ختم کر دیتی ہے لہذا ان کا آگ کو دیکھ کر بے سکون ہونا ہی اس بات کا زیادہ بڑا ثبوت ہے کہ فرعون اور آل فرعون زندہ ہیں۔ اگر ان کو موت آ گئی ہوتی تو وہ کبھی عذاب میں نہ ہوتے۔

سوال نمبر ۱۳ اللہ فرماتا ہے کہ کل نفس ذائقہ الموت تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ فرعونیوں کو موت ہی نہ آئے؟

جواب: ہم نے یہ نہیں کہا ہے کہ فرعونیوں کو کبھی موت نہیں آئے گی جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو اللہ کے فرمان کے مطابق ہر زی حیات فنا ہوجائے گا۔

سوال نمبر ۱۴ قران میں ہے کہ آل فرعون غرق ہو گئے، تو پھر ہم کیونکر انہیں زندہ مان سکتے ہیں؟

جواب: ہم انہیں زندہ اسی لئے مانیں گے کہ موت حس کی طاقت کو چھین لیتی ہے اگر وہ مر چکے ہوتے تو وہ نہ تو آگ دیکھتے اور نہ اس سے انہیں بے سکونی ہوتی۔ جہاں تک غرق ہونے کے الفاظ کا تعلق ہے تو اس کے اصل معنی ڈوب جانا ہوتا ہے مر جانا نہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں کی محبت میں ایسا غرق ہو چکا ہے کہ اب اسے کسی اور کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا آل فرعون کا غرق ہونا مجازی مفہوم دیتا ہے کہ وہ اپنی طاقت کے جس نشے میں مبتلا تھے وہ ان کا اتر گیا لہٰذہ غرق ہونا ان کی تباہی کی طرف اشارہ ہے نہ کہ موت کی طرف۔

سوال نمبر 10 اگر ہم نفس ہیں روح نہیں تو پھر لفظ روح قران میں کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

جواب: قرآن میں لفظ روح 20 آیات میں مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے سب سے زیادہ یہ لفظ جبرائیل علیہ السلام کے لئے استعمال

ہوالہذہ پہلے لفظ روح بمعنی جبرائیل پر آیات دیکھتے ہیں۔

1) اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور اس کی مدد روح القدس کے ذریعے کی۔سورہ البقرہ آیت 87

2) اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور اس کی مدد روح القدس کے ذریعے کی۔سورہ بقرۃ آیت 253

3) کہو کہ اس کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اُتارا ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ تو ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے۔سورۃ النحل 16 آیۃ 102

4) یہ وہی تو ہیں جن کے قلوب پر اللہ نے ایمان لکھ دیا اور ان کی مدد کی اپنی طرف سے روح کے ذریعے سورۃ مجادلہ 58 آیت 22

5) اور بے شک وہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔روح الامین اسے لے کر نازل ہوا۔تیرے قلب پر تا کہ تو متنبہ کرنے والا ہو جائے۔سورۃ الشعراء 26 آیت 193

ان پانچ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبرائیل ہی روح القدس اور روح الامین ہیں اور وہی آخری رسول کے پاس اللہ کا کلام لے کر آئے۔اللہ نے انہیں کہیں بھی فرشتہ نہیں بتایا ہے بلکہ روح کہا ہے

6) فرشتے اور روح اترتے ہیں اس (رات) اپنے رب کے حکم سے ہر قسم کے امور کے لئے سورہ القدر آیت 4

7) جس روز روح اور ملائکہ ایک قطار میں ہونگے ،نہیں کوئی بول سکے گا مگر جسے الرحمٰن کی اجازت ہو اور وہ بات بھی ٹھیک کرے گا۔سورہ النباء 78 آیت 38

8) ملائکہ اور روح اس کی طرف بلند ہوں تو ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔سورہ المعارج 70 آیت 4

ان تین آیات میں اللہ نے روح کو فرشتوں سے الگ بتایا ہے۔اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ اللہ نے فرشتوں کا ذکر جمع کے صیغے میں کیا جبکہ انہی کے ساتھ جب روح کا ذکر ہوا تو واحد کے صیغے میں کیا گیا جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ روح صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے جبرائیل، جسے اللہ نے اپنی روح کہا ہے اس کے علاوہ قران میں جس جس کو بھی روح کہا گیا ہے وہ لقب کے طور پر استعمال ہوا ہے (تفصیل آگے آ رہی ہے)

ہماری تحقیق کے مطابق جبرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ (جبر+ایل) پر مبنی ہے جس کے معنی ہیں خدا کی قوت۔یہ اللہ کی ایک ایسی پراسرار طاقت ہے جس کو عام قوانین کی رو سے سمجھا نہیں جا سکتا۔جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو معجزات عطا کئے تو پیچھے مدد اسی روح کے ذریعے سے کروائی گئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

9) جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میری نعمت جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کی جب میں نے روح القدس سے تیری مدد فرمائی کہ تو لوگوں سے بچپن اور بڑھاپے میں کلام کیا کرتا تھا اور (یاد کر) جب میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم

سکھائی اور جب تو مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں اللہ کے حکم سے پھونکتا تھا تو وہ پرندہ ہو جاتا تھا میرے حکم سے اور تو مادرزاد اندھے کو اور برص کے مریض کو میرے حکم سے ٹھیک کر دیا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کی دست درازی کو تجھ تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔ جب (یہ سب)واضح نشانیاں وہ دیکھتے تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا کہتے کہ یہ اور کچھ نہیں مگر ایک زبردست جادو ہے (سورہ مائدہ آیت 110) جب اللہ تعالیٰ چاہتے تو اللہ کی یہ روح کوئی بھی روپ اختیار کر لیتی ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں لکھا ہے

10) پھر (جب مریم نے) لوگوں سے اپنے گھر والوں کے علاوہ حجاب اختیار کیا تو ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا تو اس نے اس کے لئے ایک مکمل بشر کا روپ دھار لیا۔ سورہ مریم 19 آیت 17

قران نے ایک اور موقع پر بھی بتایا ہے کہ اللہ کے آخری رسول نے بھی اس روح کو دو مرتبہ دیکھا تھا۔

اب ہم آگے بڑھتے ہیں جہاں اصل اختلاف شروع ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے آدم میں کوئی روح پھونک دی تھی۔ یہ سراسر غلط ترجمہ اور مفہوم ہے۔ دیکھیے مندرجہ ذیل آیات

11) اور جب تیرے رب نے فرمایا کہ بے شک میں خالق ہوں مٹی سے بنے ہوئے بشر کا۔ پھر جب میں اسے ٹھیک کر دوں اور اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونک دوں پس تم اسے سجدہ کرنے کے لئے گر پڑنا۔ سورۃ ص 38 آیت 72

12) اور جب تیرے رب نے فرمایا کہ بے شک میں خالق ہوں بشر کا جو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنا ہوا ہے۔ پھر جب میں اسے درست کر دوں اور اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونک دوں تو اس کے آگے گر پڑنا سجدہ کرتے ہوئے۔ سورہ حجر 15 آیت 29

13) وہ ہی ہے جس نے ہر شے کی تخلیق احسن انداز سے کی اور انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی۔ پھر اس کی افزائش نسل حقیر پانی کے جوہر سے ٹھہرادی۔ پھر اسے متوازن کیا اور اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونکا اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ سورۃ السجدہ 32 آیت 7-9

ان تین آیات میں ایک جملہ آ رہا ہے کہ ونفخت فیہ من روحی، جس کے دو ترجمے ٹھیک ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اور میں اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونک دوں یا اور میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں۔ لیکن یہ ترجمہ کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں، مکمل طور پر عربی سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ نفخ روح روایات میں بھی بیان ہوا ہے لیکن وہاں عربی حرف مِن کا استعمال نہیں ہوا جب کہ قران میں ہر مقام پر جہاں نفخ روح کا ذکر ہو بیچ میں لفظ مِن کا استعمال نظر آئے گا جس سے روح کے بجائے روح کے ذریعے یا روح میں سے پھونکنے کا ترجمہ بنتا ہے جس کو، کوئی عربی جاننے والا تو جھٹلا نہیں سکتا مگر وہ جنہوں نے روح انسانی کا عقیدہ بنا رکھا ہے انہیں نہ تو قرآن کی عربی سے کوئی سروکار ہے اور نہ مفہوم سے۔ لہٰذا پہلے تو ترجمہ ٹھیک کرنا چاہیے پھر دیکھنا چاہیے کہ کیا بات ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں نہ تو آدم علیہ السلام کی کوئی روح پھونکنے کا ذکر کیا اور نہ ہی اپنی روح میں سے کچھ پھونکا بلکہ اپنی روح جبرائیل کے ذریعے سے پھونکا۔ قرآن میں ایک اور بات اسی تعلق میں حیران کن سامنے آتی ہے کہ روح کے ذریعے سے پھونکنے کا

ذکرصرف دو ہی ہستیوں کے لئے استعمال ہوا ہے ایک آدم علیہ السلام کے لئے اور ایک عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں ہستیاں افزائش نسل کے قانون سے ہٹ کر پیدا ہوئی تھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے اس نے اس کو مٹی سے خلق کیا پھر اس کے لئے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا** سورۃ العمرآن آیت 59 قران میں نفخ من روح کسی اور انسان کے لئے استعمال نہیں ہوا لہٰذا ہر انسان کا روح سے تعلق جوڑنا اور پھر مزید تجاوز کرتے ہوئے اس کے اندر ہی داخل کر دینا یہ صرف ہندوانہ عقائد کا شاخسانہ ہے اور اس کا قران وصحیح حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں روح داخل نہیں ہوئی بلکہ ان کی والدہ مریم علیھا السلام کے پاس روح پہنچی تو اس نے اس نے ایک مکمل بشر کا روپ دھار لیا اس کے بعد کیا ہوا، درج ذیل آیات میں دیکھیئے

14) **اور (مریم) نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پس ہم نے اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونکا** (سورۃ انبیاء 21 آیت 1591)

15) **اور (اللہ) مریم بنت عمران (کی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح کے ذریعے سے پھونکا۔۔۔۔۔** سورۃ التحریم 66 آیت 12

یہاں یہ بات سامنے آ گئی کہ جبرائیل ہی وہاں اس پھونکنے کا ذریعہ بنے۔ وہ مریم علیہا السلام کے جسم میں داخل نہیں ہوئے لہٰذا روح کو پھونک دینا غلط ترجمہ ہے اور روح کے ذریعے سے ہی پھونکا جانا صحیح ترجمہ ہے۔اسی طرح آدم علیہ السلام کے معاملے میں بھی روح ان کے جسم میں داخل نہیں کی گئی بلکہ روح کے ذریعے سے آدم علیہ السلام میں زندگی کا آغاز کیا گیا۔ یہ پھونکنا بذات خود کیسا عمل تھا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن یہی نظر آتا ہے کہ لفظ کُن کا استعمال کیا گیا اور یہ لفظ کُن بذریعہ روح یعنی جبرائیل کے ذریعے سے آدم اور عیسیٰ ابن مریم کے لئے استعمال ہوا۔

یہ روح رسولوں کے پاس اللہ کا پیغام لائی، آدم اور مریم علیہما السلام کے پاس پھونکنے کے لئے پہنچی۔کبھی یہ براہ راست قلب مبارک پر اتری اور کبھی انسان کا روپ لیا لہٰذا اس کے متعلق سوال کرنا ایک فطری عمل تھا کہ آخر یہ روح ہے کیا چیز تو اسی لئے لوگوں نے سوال کیا۔

16) **اور لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں تو قلیل علم دیا گیا ہے۔** سورہ بنی اسرایل آیت 85

بظاہر یہ ایک مختصر جواب معلوم ہوتا ہے لیکن نہایت جامع ہے۔ جبرائیل کا نزول اللہ کے امر سے ہوتا ہے اور جیسا امر ہوتا ہے ویسا ہی عمل سامنے آتا ہے۔

جہاں تک روح کے متعلق قلیل علم کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ قلیل علم اتنا ضرور ہے کہ اس سے نہ تو روح کے متعلق کوئی غلط مفہوم بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔لوگوں نے اس کے باوجود روح کے متعلق بہت سے غیر قرانی عقائد بنا لئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ قران مجید میں موجود روح سے متعلق بیس آیت ان کے سامنے نہ تھیں۔ کسی نے ایک آیت سامنے رکھی اور کسی نے دو اور جو چاہا اس سے عقیدہ بنا لیا۔ اگر ان بیس آیات کو ایک ساتھ سامنے رکھا جائے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان آیات

سے روح کے متلق انسانی روح سمیت کوئی باطل عقیدہ بنایا جاسکے۔
بعض لوگ اس آیت کو زبردستی انسانی روح کے متعلق جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایک تو آیت میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا دوسرا یہ کہ اللہ کے رسول نے بھی اس آیت کے متعلق نہیں فرمایا کہ یہ انسانی روح کے متعلق ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ بعض علماء نے بھی جو انسانی روح کے عقیدے پر یقین رکھتے ہیں اس آیت کو انسانی روح کے تعلق میں نہیں لیا ہے۔ اور ہم نے اس آیت کو جبرائیل علیہ السلام کے تعلق میں ہی لیا ہے کیونکہ سوال ان پر ہی بنتا نظر آتا ہے کہ وہ اللہ کی ایک ایسی قوت ہیں جو لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں اور ان ہی کے متعلق لوگوں کے پاس قلیل علم ہے۔
بیس میں سے سولہ آیات جبرائیل علیہ السلام کے تعلق میں بیان ہوئی ہیں۔ اب روح کے متعلق باقی چار آیات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

روح بطور لقب

17) وہ بلند درجات والا صاحب عرش ہے جوڈالتا ہے روح اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے متنبہ کرے۔ سورۃ مومن 40 آیت 15

18) وہ فرشتوں کو اتارتا ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اس روح کے ساتھ کہ وہ تنبیہ کریں کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ہی ڈرو۔ سورۃ النحل 16 آیت 02

19) اور اسی طرح ہم نے ایک روح تیری طرف اپنے حکم سے وحی کی اور تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس (روح) کو ایک نور بنادیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک تو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے سورۃ شوریٰ 42 آیت 52

اللہ نے قرآن میں اپنی ایک ہی روح کا ذکر کیا ہے جو ہم پچھلی آیات میں پڑھ چکے لیکن اپنی ہدایت کو بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح روح کا لقب عطا کیا۔ ان تین آیات میں اللہ نے القا کرنا یعنی قلب میں اتار دینا اور وحی کرنا کے الفاظ استعمال کئے جس سے ظاہر ہوا کہ یہاں اللہ نے روح اپنی ہدایت کو کہا ہے بہت سے علماء نے بھی ان دو آیات میں بیان کی ہوئی روح کو قرآن سے متعلق کیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا کیونکہ اس کی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں پھر مزید فرماتے ہیں کہ یہاں روح (بھید کی بات) سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء پر اترتی ہے اور ان کے ذریعے سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے۔

20) اے اہل کتاب اپنے دین میں اضافہ نہ کرو اور اللہ پر حق کے سوا کچھ نہ کہو عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کا ایک لفظ ہے جو ڈالا گیا مریم کی طرف اور (اللہ) کی طرف سے روح ہے۔۔ سورۃ النساء 4 آیت 171 اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل کی طرح اپنی روح نہیں کہا بلکہ صحیح ترجمے کے مطابق وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ روح تو اللہ کا امر ہے جس کی موت بنتی نہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تو ذکر ان کی وفات سے پہلے ہی کردیا گیا تھا لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام بذات خود روح نہیں صرف لقب ہی ہوسکتا ہے جس طرح اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کا لقب دیا۔ کتاب دوموت دوزندگی کا پہلا حصہ اختتام پزیر ہوا۔ والسلام

ختم شد